الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

زندہ لوگ اپنی غلطیوں کو جانتے ہیں
اور مردہ لوگ صرف دوسروں کی غلطیوں کو —

شمارہ ۴۲
مئی ۱۹۸۰

زرتعاون سالانہ ۲۴ روپے
خصوصی تعاون سالانہ ایک سو روپے
بیرونی ممالک سے ۱۵ ڈالر امریکی

قیمت فی پرچہ
۲ دو روپے

الرسالہ

مئی ۱۹۸۰
شمارہ ۴۲

جمعیۃ بلڈنگ، قاسم جان اسٹریٹ، دہلی ۶ (انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ اعلانِ آخرت کا مشن ہے

الرسالہ کا مقصد کیا ہے ——— یہ بتانا کہ اے لوگو! تم بہت جلد مرنے والے ہو۔ اس کے بعد دو انتہائی انجاموں میں سے کوئی ایک انجام تمھارے سامنے ہوگا: یا جنت یا جہنم۔ اس سنگین حقیقت کو سمجھ کر دنیا میں رہو، جو کچھ کرو یہ سمجھ کر کرو کہ تمھارا عمل تم کو یا تو آگ کی طرف لے جا رہا ہے یا باغوں والی زندگی کی طرف۔ الرسالہ کا ادارہ نہ اعلانِ برکت کے لئے قائم کیا گیا ہے اور نہ اعلانِ سیاست کے لئے۔ اس کا مقصد نہ اعلانِ ملت ہے اور نہ اعلانِ انسانیت۔ اس کو نہ اعلانِ شخصیت سے دل چسپی ہے اور نہ اعلانِ قومیت سے۔ الرسالہ کا مقصد صرف ایک ہے اور وہ آخرت کے آنے والے دن سے لوگوں کو باخبر کرنا ہے۔

آخرت کا اعلان وہ مقصد ہے جس کے لئے پیغمبر دنیا میں بھیجے گئے۔ الرسالہ کے ساتھ تعاون کرنا پیغمبرانہ مشن کے ساتھ تعاون کرنا ہے۔ الرسالہ کے ساتھ تعاون کیجئے۔ موجودہ زمانہ میں پیغمبرانہ مشن کو زندہ کیجئے۔

الرسالہ کا ٹیلیفون نمبر بدل گیا ہے	نیا نمبر یہ ہے	232231

کامیابی پندرہ سال میں

ایک صاحب ایک بیڑی کے کارخانہ میں معمولی ملازم تھے۔ وہاں انھوں نے بیڑی کے کاروبار کے تمام "گر" سیکھ لئے اور اس کے بعد اپنا الگ کام کرلیا۔ انھوں نے پانچ ہزار روپے سے اپنا کام شروع کیا تھا۔ مسلسل محنت کے تقریباً پندرہ سال گزارنے کے بعد ان کا بہت بڑا کارخانہ ہوگیا۔ ایک روز اپنے دوستوں سے اپنی کہانی بتاتے ہوئے انھوں نے کہا ——— جس طرح بچہ پندرہ سال میں جوان ہوتا ہے اسی طرح بزنس بھی پندرہ سال میں جوان ہوتا ہے۔ میں اپنی موجودہ حالت تک ایک دن میں نہیں پہنچ گیا۔ یہاں تک پہنچنے میں مجھ کو پندرہ سال لگ گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر کام "پندرہ سال" ہی میں پورا ہوتا ہے، خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی۔ خواہ وہ کوئی کاروبار ہو یا ملی خدمت ہو۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا بھی کوئی نسخہ ہو سکتا ہے کہ جو فوراً کامیاب کردے وہ خوش خیالیوں کی دنیا میں رہتے ہیں۔ "ایک چھلانگ لگاؤ اور منزل تک پہنچ جاؤ" قواعد کے لحاظ سے ایک صحیح جملہ ہے۔ مگر زندگی کی حقیقتوں کے اعتبار سے یہ بے معنی الفاظ کا ایک مجموعہ ہے جس کی واقعات کی دنیا میں کوئی قیمت نہیں۔ گلائن کننگھم (Gleun Cunningham) وہ شخص ہے جو ایک میل کی دوڑ کا چیمپئن بنا۔ وہ جس اسکول میں پڑھ رہا تھا اس میں آگ لگ گئی۔ وہ آگ کی لپیٹ میں آگیا اس کا پاؤں اس طرح جھلس اٹھا کہ وہ چلنے پھرنے سے معذور ہوگیا۔ ڈاکٹروں کا اتفاق تھا کہ اس کو دوبارہ چلنے اور دوڑنے کے قابل بنانے کے لئے ایک معجزہ کی ضرورت ہے۔ مگر گلائن کننگھم کی معذوری نے اس کے اندر چلنے اور دوڑنے کا ایک نیا شوق ابھار دیا۔ اس کے دل و دماغ کی ساری توجہ اس پر لگ گئی کہ وہ دوبارہ اپنے آپ کو چلنے کے قابل بنائے۔ اس نے طرح طرح کی مشقیں شروع کردیں۔ بالآخر اس کی سمجھ میں ایک تدبیر آئی۔ اس نے چلتے ہوئے ہل کے دستہ سے لٹک کر گھسٹنے کی مشق شروع کردی۔ تدبیر کامیاب رہی۔ جب اس کے پاؤں زمین پر ٹکنے کے قابل ہوگئے تو اس کی ہمت بندھی۔ اب اس نے اپنی مشق اور تیز کردی۔ بالآخر وہ معجزہ رونما ہو کر رہا جس کی ڈاکٹروں نے پیش گوئی کی تھی۔ وہ باقاعدہ چلنے اور دوڑنے کے قابل ہوگیا۔ اس کے بعد اس نے ایک مقابلہ میں حصہ لیا اور ایک میل کی دوڑ کے پچھلے تمام ریکارڈ توڑ کر اس کا چیمپئن بن گیا ——— مگر گلائن کننگھم کو یہ کامیابی چند دن میں حاصل نہیں ہوئی۔ اس منزل تک پہنچنے میں اس کے "پندرہ سال" لگ گئے۔ پندرہ سالہ جد و جہد کے بعد ہی یہ ممکن ہو سکا کہ وہ دوڑ کا چیمپئن بنے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں "پندرہ سال" کے بغیر کوئی کامیابی ممکن نہیں۔ فی الفور نتائج نکالنے پر جو ہستی سب سے زیادہ قادر ہے وہ اللہ ہے۔ مگر اللہ نے اپنی دنیا کا نظام فی الفور نتائج کی بنیاد پر نہیں بنایا، صرف اس لئے تاکہ انسان کو عبرت ہو اور وہ لاحاصل کوششوں میں اپنا وقت ضائع نہ کرے۔ خدا کی دنیا میں رات دن بے شمار واقعات ہو رہے ہیں۔ مگر سب کچھ حد درجہ محکم قوانین کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ یہاں ایک گھاس بھی ایسی نہیں جو خوش فہمی کی زمین پر کھڑی ہو اور ایک چیونٹی بھی نہیں جو حقائق کو نظر انداز کرکے زندہ ہو، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان کے لئے خدا کا قانون بدل جائے۔ کامیابی کی واحد شرط "سعی" ہے۔ یعنی وہ کوشش کرنا جو مطلوبہ مقصد کے لئے قانون الٰہی کے تحت مقدر ہے۔ یہی اصول دنیا کی کامیابی کے لئے ہے اور یہی آخرت کی کامیابی کے لئے۔

سوچنے کی باتیں

جب کوئی شخص دوسرے کو فائدہ پہنچاتا ہے تو وہ صرف اپنے آپ کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص دوسرے کو نقصان پہنچاتا ہے تو وہ صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ مگر بہت کم لوگ ہیں جو اس حقیقت کو جانتے ہوں۔ اور اس سے بھی کم وہ لوگ ہیں جو اس پر عمل کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر سکیں۔

فطرت کے قانون کے مطابق دنیا میں مقام اس کو ملتا ہے جو اپنے آپ کو دوسروں کے لئے نفع بخش ثابت کرے (و اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض) ایسے کسی گروہ کے لئے خدا کی اس دنیا میں کوئی جگہ نہیں جس کے پاس دوسروں کے لئے صرف حقوق طلبی کے نعرے ہوں۔ دوسروں کے لئے نفع بخشی اس نے کھو دی ہو۔

اپنی ناکامی کے لئے دوسروں کو ذمہ دار ٹھہرانا گویا فیصلہ کا سرا دوسروں کے ہاتھ میں دینا ہے۔ اس کے برعکس جب آدمی اپنی ناکامی کی ذمہ داری خود قبول کرے تو گویا وہ فیصلہ کا سرا خود اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہے۔ دوسروں کو ذمہ دار ٹھہرانے کی صورت میں آدمی کے پاس اس کے سوا کوئی کام نہیں ہوتا کہ وہ اپنے مفروضہ دشمن کے خلاف غصہ اور نفرت کا اظہار کرتا رہے جب کہ اپنے آپ کو ذمہ دار قرار دینے کی صورت میں آدمی کی دبی ہوئی صلاحیتیں جاگ اٹھتی ہیں، وہ دوبارہ زیادہ صحیح منصوبہ بناتا ہے اور اپنی قوتوں کو بروئے کار لاکر کامیاب ہو جاتا ہے۔

آپ جذباتی ہنگاموں سے وقتی طور پر آسمان سر پر اٹھا سکتے ہیں۔ مگر یاد رکھئے کہ وقتی طوفانوں سے جو گرد اٹھتی ہے، وہ اپنے آغاز میں اگرچہ آسمان پر دکھائی دیتی ہے، مگر اپنے انجام میں اس کو صرف سطح زمین پر جگہ ملتی ہے جہاں انسانی قافلے اس کو اپنے قدموں کے نیچے پامال کرتے رہتے ہیں۔

انڈے کے اندر زندہ بچہ کا وجود یہ معنی رکھتا ہے کہ ایک روز اس کے اوپر کا خول ٹوٹ جائے اور جیتا جاگتا بچہ خول کے باہر آجائے۔ اسی طرح کوئی انسانی گروہ اگر حقیقۃً زندہ ہے تو ناموافق حالات کبھی اس کا راستہ روک نہیں سکتے۔ اس کی اپنی زندگی اس کو ناموافق حالات کے خول سے نکلنے کی کافی ضمانت ہے۔

کوئی گروہ اپنے کو مظلوم بتائے اور دوسرے کو ظالم قرار دے، اور اسی حال میں اس پر نصف صدی گزر جائے تو یقیناً وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ہے۔ کیوں کہ خدا کی اس کائنات میں یہ ناممکن ہے کہ کوئی گروہ کسی کے اوپر نصف صدی تک یک طرفہ ظلم کرتا رہے اور اس کے باوجود مظلوم گروہ کو خدا کی مدد حاصل نہ ہو۔

سورۂ نور کی روشنی میں

غزوۂ بنی المصطلق ۶ھ میں ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوہ سے فارغ ہوکر مدینہ واپس آرہے تھے۔ آپ کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں۔ ان کی سواری کا اونٹ علیحدہ تھا۔ ایک مقام پر قافلہ رکا۔ رات کو کوچ سے پہلے حضرت عائشہ قضائے حاجت کے لیے جنگل کی طرف چلی گئیں۔ وہاں ان کا ہار ٹوٹ کر گر گیا جس کو تلاش کرنے میں دیر لگی، ادھر کوچ کا وقت ہوگیا۔ لوگوں نے سمجھا کہ حضرت عائشہ اپنے ہودج میں ہیں۔ چنانچہ سب اونٹوں کے ساتھ ان کا اونٹ بھی ہانک دیا گیا۔ حضرت عائشہ واپس آئیں تو وہاں کوئی نہ تھا۔ انھوں نے رائے قائم کی کہ مجھ کو یہیں ٹھیرنا چاہیے۔ آگے جاکر جب میں نہ ملوں گی تو لوگ تلاش کرتے ہوئے یہیں آئیں گے۔ اس کے بعد ان کو نیند آئی اور وہ وہیں سوگئیں۔ صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ قافلہ کی خبرگیری کے لیے پیچھے رہا کرتے تھے۔ وہ صبح کو اس مقام پر پہنچے تو دیکھا کہ کوئی سو رہا ہے۔ قریب آکر پہچانا تو گھبراہٹ میں ان کی زبان سے نکلا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ سن کر حضرت عائشہ کی آنکھ کھل گئی۔ انھوں نے چادر سے اپنا چہرہ ڈھانک لیا۔ حضرت صفوان نے خاموشی سے اپنا اونٹ ان کے قریب لاکر بٹھا دیا۔ حضرت عائشہ بھی خاموشی کے ساتھ اس پر سوار ہوگئیں۔ اب حضرت صفوان اونٹ کی نکیل پکڑ کر تیزی سے چلنے لگے۔ یہاں تک کہ دوپہر کے وقت قافلہ میں شامل ہوگئے۔ مدینہ میں یہ خبر پھیلی تو کچھ بد باطن لوگوں کو موقع مل گیا کہ وہ زوجۂ رسول پر جھوٹی تہمت لگائیں اور اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی تحریک کو بدنام کریں۔ حتیٰ کہ بعض سیدھے سادے مسلمان بھی اس الزام میں شریک ہوگئے۔ مثلاً حضرت حسان بن ثابت، حضرت مسطح بن اثاثہ اور حضرت حمنہ بنت جحش۔ ایک ماہ سے زیادہ عرصہ تک یہ خبر گرم رہی۔ یہاں تک کہ قرآن میں اس کی تردید نازل ہوئی اور اس کے بارے میں واضح احکام دئے گئے۔ یہاں چند آیتیں نقل کی جاتی ہیں۔

"جو لوگ پاک دامن عورتوں پر الزام لگائیں، پھر اپنے الزام کے ثبوت میں چار گواہ نہ لائیں تو ان کو ۸۰ کوڑے مارو اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو۔ یہی لوگ اصلی نافرمان ہیں۔ مگر جو لوگ اس کے بعد توبہ اور اصلاح کرلیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ جو لوگ یہ طوفان لائے ہیں وہ تمھیں میں سے ایک جماعت ہیں۔ تم اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمھارے لئے بہتر ہے۔ ان میں سے ہر ایک نے جو گناہ کمایا وہ اس کے لئے ہے اور جس نے اس کا بڑا بوجھ اٹھایا اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔ ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ بات سنی تو مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کی بابت نیک گمان کرتے اور کہہ دیتے کہ یہ ایک کھلا ہوا بہتان ہے۔ وہ اپنے الزام کو ثابت کرنے کے لئے چار گواہ کیوں نہ لائے۔ پھر جب وہ گواہ نہ لائے تو اللہ کے نزدیک وہی جھوٹے ہیں۔ جب تم اپنی زبانوں سے وہ بات نقل کر رہے تھے اور اپنے منھ سے وہ بات کہہ رہے تھے جس کی بابت تم کو کوئی علم نہ تھا۔ اور تم اس کو معمولی بات سمجھ رہے تھے۔ حالاں کہ اللہ کے نزدیک وہ بہت بڑی بات ہے۔ ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس کو سنتے ہی تم نے کہہ دیا کہ ہمیں کیا حق ہے کہ ہم ایسی بات زبان پر لائیں۔ اللہ پاک ہے، یہ ایک بہت بڑا بہتان ہے۔ جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں فحش کاری کا چرچا ہو ان کے لئے دردناک عذاب ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور

اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (نور)

ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کی عزت پر حملہ کرنا حرام ہے۔ اور جب معاملہ مسلمان عورت کا ہو تو اس کی شناعت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ پاک باز مسلم خاتون پر تہمت لگانا سو برس کے عمل کو ڈھا دیتا ہے (قذف المحصنة يهدم عمل مأة سنة) بخاری و مسلم کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سات ہلاک کر دینے والی چیزوں سے بچو۔ لوگوں نے پوچھا اے خدا کے رسول وہ کیا ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو، اللہ کی حرام کی ہوئی جان کو حق کے بغیر قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدان جہاد سے بھاگنا اور بھولی بھالی پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا (وقذف المحصنات المومنات الغافلات)

اس میں ہمارے لئے بہت سے سبق ہیں۔ اس سلسلے میں یہاں چند اشارے درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ ایک سادہ سے واقعہ کو بہانہ بنا کر جن لوگوں نے مذکورہ مہم چلائی ان کا مقصد رسول یا زوجہ رسول کو بدنام کرنے سے زیادہ دعوت اسلامی کو بدنام کرنا تھا۔ رسول کو اخلاقی حیثیت سے مشتبہ ثابت کر کے وہ دراصل رسول کی دعوت کو مشتبہ ثابت کرنا چاہتے تھے۔ یہی ہر زمانہ میں شیطان کا طریقہ ہے۔ مگر اس قسم کی کوشش خواہ کتنے ہی بڑے پیمانہ پر کی جائے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتی۔ کیوں کہ حق کی دعوت جب بھی اٹھتی ہے وہ براہ راست خدا کی حمایت کے تحت اٹھتی ہے۔ اس کو مشتبہ ثابت کرنے کی کوشش کرنا گویا خدا کے منصوبہ سے ٹکرانا ہے اور کون ہے جو خدا کے منصوبہ سے ٹکرا کر کامیاب ہو — حق کی دعوت کے لئے مقدر ہے کہ وہ لازماً قائم رہے، یہاں تک کہ وہ حق کو ناحق سے جدا کرنے میں آخری حد تک کامیاب ہو جائے۔

۲۔ امتحان کی اس دنیا میں ایک معصوم اور بے قصور آدمی کے ساتھ بھی کوئی ایسا واقعہ پیش آسکتا ہے جس کو غلط معنی پہنایا جاسکے اور اس طرح خدا سے بے خوف لوگوں کو موقع مل جائے کہ وہ اس کے ذریعہ اس کو بدنام کر سکیں۔ مگر جو اللہ سے ڈرنے والے لوگ ہیں ان کو ایسے موقع پر ہمیشہ خوش گمانی کے تحت رائے قائم کرنا چاہئے۔ ان کو ایسا نہ کرنا چاہئے کہ محض سن کر بلا تحقیق اس کو صحیح مان لیں اور اس کو شہرت دینے میں لگ جائیں۔

۳۔ ایسے کسی الزام کو درست ماننے کے لئے ضروری ہے کہ چار معتبر آدمی اس کے حق میں گواہی دیں۔ اگر الزام لگانے والا چار گواہ نہ پیش کر سکے تو یقین کیا جائے گا کہ وہ جھوٹا ہے۔ اور اس جرم میں اس کو ۸۰ کوڑے مارے جائیں گے۔ اس کے بعد اگر وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرے اور اپنی اصلاح کرلے تو امید ہے کہ اللہ اس کو معاف کر دے گا۔ مگر مسلمانوں کے معاملات میں گواہ بننے کے لئے پھر بھی وہ نااہل رہے گا۔ اس کے بعد اس کی گواہی کبھی قبول نہیں کی جائے گی۔

۴۔ کسی پاک دامن خاتون پر جھوٹی تہمت لگانا ایسا سنگین جرم ہے جس کی سخت ترین سزا نہ صرف آخرت میں ملتی ہے بلکہ دنیا میں بھی ایسے آدمی کو اس کی سزا مل کر رہتی ہے۔ کسی کی عزت پر حملہ کرنا کمینہ پن کی بات ہے اور ایسا جرم جس کے ساتھ کمینہ پن شامل ہو وہ آدمی کو اللہ کی رحمت سے آخری حد تک محروم کر دیتا ہے۔ ایسے شخص سے جہنم اتنی قریب آجاتی ہے کہ وہ دنیا ہی میں اس کی آنچ سے جلنا شروع ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دوسرے پر حملہ سب سے پہلے اپنے آپ پر حملہ ہے۔

آدمی پہلے اپنے آپ کو قتل کرتا ہے، اس کے بعد ہی وہ دوسرے کے قتل کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے۔

۵۔ اسلامی ماحول خدا پرستی کا ماحول ہوتا ہے۔ اسلامی ماحول وہ ہے جہاں ہر آدمی اس احساس کے ساتھ اپنی زبان کھولے کہ اس کو اپنے بولے ہوئے الفاظ کا حساب اللہ کو دینا ہے۔ ایسے ماحول میں آدمی کو حد درجہ محتاط ہو کر رہنا چاہئے۔ ایسے ماحول میں جو لوگ غیر ذمہ دارانہ باتوں کو پھیلائیں وہ گویا اسلامی ماحول کی خدا پرستانہ فضا کو خراب کر رہے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں زہر گھول رہے ہیں۔ ایسے لوگ اللہ کے نزدیک سخت ترین مجرم ہیں۔ دنیا میں اگر وہ اپنی برأت کے لئے الفاظ پالیں تو اس بنا پر ان کو ہرگز دھوکے میں نہ رہنا چاہئے کہ وہ خدا کے یہاں بھی اپنی برأت کے لئے الفاظ پالیں گے۔ آخرت حقیقتوں کے کھل جانے کا مقام ہے۔ وہاں صرف وہ شخص بری الذمہ ٹھہرے گا جو حقیقت کی سطح پر جئے۔ جو حقیقت سے انحراف کرے وہ آخرت میں اس طرح پہنچے گا کہ وہاں اس کے لئے کوئی جگہ نہ ہوگی۔

۶۔ اس قسم کے کسی واقعہ کا پیش آنا بظاہر ایک ناپسندیدہ بات ہے۔ مگر اس میں خیر کا پہلو بھی چھپا ہوا ہے۔ اس قسم کے ایک واقعہ کے درمیان یہ ثابت ہوتا ہے کہ کون ذمہ دار ہے اور کون غیر ذمہ دار۔ کون اپنے سینہ میں دوسرے بھائیوں کی خیر خواہی لئے ہوئے ہے اور کون ہے جس کے دل میں دوسروں کے لئے حسد اور بغض بھرا ہوا ہے۔ کون اللہ کی جواب دہی کے احساس کے تحت بولتا ہے اور کون جواب دہی کے احساس سے خالی ہو کر کلام کرتا ہے۔ اس طرح ایک طرف یہ ہوتا ہے کہ ان واقعات کے ذریعہ بد باطن لوگوں کا بد باطن ہونا کھل جاتا ہے۔ دوسری طرف اہل حق کو یہ موقع ملتا ہے کہ وہ خدا کی توفیق سے صبر کی روش پر قائم رہیں اور اللہ کی مزید عنایتوں کے مستحق بنیں

۷۔ اس واقعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حق کی دعوت جب بے آمیز شکل میں پیش کی جائے تو وہ لوگ کتنے زیادہ اس کے مخالف ہو جاتے ہیں جن پر اس دعوت کی زد پڑتی ہو۔ ان مخالفین میں ایک تو عام دنیا دار ہوتے ہیں۔ وہ بھی اگرچہ ایسی تحریک کے مخالف ہوتے ہیں۔ مگر ان کی مخالفت ایک دائرہ کے اندر رہتی ہے۔ وہ داعی کو ناکام بنانے کے لئے زور لگاتے ہیں مگر اس کو بے عزت کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ غزوہ احد کے واقعات میں آتا ہے کہ مکہ سے کافروں کا جو لشکر مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے روانہ ہوا تھا، وہ راستہ میں ابواء کے مقام پر پہنچا جہاں پیغمبر اسلام کی والدہ آمنہ بنت وہب کی قبر تھی۔ قریش کے کچھ پُر جوش لوگوں نے چاہا کہ قبر کو کھود دیں اور پیغمبر کی ماں کی بے حرمتی کریں۔ مگر خود قریش کے لوگوں نے ان کو برا بھلا کہا اور ان کو اس ارادہ سے روکا۔ وہ پیغمبر سے لڑنے جا رہے تھے مگر ان کی بے حرمتی کے لئے کوئی پست طریقہ اختیار کرنا ان کو گوارہ نہ ہوا۔ مگر یہود جو اپنے کو حق کا اجارہ دار سمجھتے تھے ان کا معاملہ اس سے مختلف تھا۔ انھوں نے بعض چیزوں کو بہانہ بنا کر آپ پر رکیک حملے کئے اور آپ کو اخلاقی حیثیت سے گرانے کی کوشش کی۔ مذکورہ تہمت طرازی کے اصل ذمہ دار یہی لوگ تھے۔ جو لوگ اپنے کو حق کا واحد نمائندہ سمجھتے ہوں، جب وہ اپنی حیثیت پر زد پڑتی ہوئی محسوس کرتے ہیں تو ان کا ردعمل بے حد شدید ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف ایسی تحریک کا زور توڑنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ اس کے داعی کو بے عزت کرنے کی مہم بھی چلاتے ہیں۔ وہ اپنی مذہبی قیادت کو بچانے کے لئے ہر چیز کو اپنے لئے جائز کر لیتے ہیں خواہ وہ کوئی ذلیل حرکت یا کوئی پست کارروائی کیوں نہ ہو۔ (۱۹ مارچ ۱۹۸۰)

جب الفاظ دل کے ٹکڑے بن جائیں

آگ کا انگارہ کسی اعلان کے بغیر بتا رہا ہوتا ہے کہ وہ گرم ہے۔ یہی حال سچے مبلغ کا ہے۔ آدمی جس دین کی تبلیغ کرنا چاہتا ہے اگر وہ اس کو اپنے اندر اتار چکا ہو تو اس کا وجود سراپا تبلیغ بن جاتا ہے۔ وہ بولنے سے پہلے بول رہا ہوتا ہے اور اعلان کے بغیر اس کی ہستی اعلان میں ڈھل جاتی ہے۔ اللہ کے وہ بندے جو واقعی طور پر اللہ کی اطاعت کو اپنی زندگی میں شامل کر لیتے ہیں، ان کا عمل ایسے ایسے پہلوؤں سے اپنے تبلیغی نقش چھوڑتا ہے اور ایسے ایسے مقامات سے اس کے دعوتی اثرات ظاہر ہو کر سامنے آتے ہیں جن کا پہلے سے کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں میں ہندوستان کی ریاست اتر پردیش کی ایک مسلم خاتون کا واقعہ نقل کروں گا۔ یہ واقعہ ۱۳۸۳ھ کا ہے اور ذاتی طور پر میرے علم میں آیا ہے۔ مذکورہ خاتون ایک ڈاکٹر سے اپنا علاج کرا رہی تھیں۔ ڈاکٹر چوں کہ ان کے وطن سے پانچ سو کیلو میٹر کے فاصلہ پر رہتے ہیں، اس لئے اپنے احوال ان کو بذریعہ خط لکھ کر بھیجتی تھیں۔ یہ ایک ہومیو پیتھ ڈاکٹر ہیں اور اپنے مخصوص طریق علاج کے مطابق ان کی تاکید تھی کہ حالات بتانے میں یہ بات خاص طور پر لکھی جائے کہ مرض کیسے پیدا ہوا، کب بڑھتا ہے اور کب گھٹتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ خاتون کو جوڑوں کا درد تھا۔ جب وہ اچھا ہوا تو سر کا درد شروع ہو گیا۔ کسی علاج سے فائدہ نہیں ہوتا تھا، بالآخر انھوں نے ڈاکٹر کو لکھا:

"اپنے حالات کے سلسلے میں آپ کو کچھ لکھنا تھا تاکہ آپ مرض کی نوعیت سمجھ کر صحیح دوا تشخیص کر سکیں۔ مگر کئی دن سے سوچ سوچ کر رہ جاتی تھی۔ اب چوں کہ یہ علاج کا معاملہ ہے اور طویل علالت کی وجہ سے وہ میرے لئے سخت تکلیف دہ ہو چکا ہے، اس لئے مجبوراً لکھتی ہوں۔ کہنا یہ ہے کہ جوڑوں کا درد جو مجھے پہلے ہو گیا تھا، وہ بفضلہ تعالیٰ آپ کے علاج سے بالکل ٹھیک ہے، مگر اس کے بعد درد سر کی مستقل پریشانی شروع ہو گئی ہے۔ یہ درد کیسے اٹھتا ہے، یہ لکھنے یا کہنے کی بات نہیں تھی، مگر مجبوراً لکھ رہی ہوں کہ اس کے بغیر شاید ہومیو پیتھک طریق علاج میں صحیح دوا تجویز نہیں کی جا سکتی۔ بات یہ ہے کہ اگر میں رات کو ساری رات آرام سے بستر پر پڑی رہوں تو سر میں قطعاً درد نہیں ہوگا اور دن بھی خیریت سے گزر جائے گا، مگر مجھ کو راتوں کی تنہائی میں اٹھ کر نماز پڑھنا بہت پسند ہے، انھیں رات کی نمازوں میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آخرت کا منظر یا قبر وغیرہ کی یاد شدت سے دماغ میں آتی ہے اور اس وقت بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں بس انھیں آنسوؤں کا نکلنا مضر ہوتا ہے۔ جیسے ہی آنکھ سے آنسو نکلے، سر میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ میں نے بار بار اندازہ کیا ہے کہ آنسوؤں ہی کے نکلنے سے سر میں درد شروع ہوتا ہے۔ یہ بات کسی سے کہنے کی نہیں تھی، محض علاج کی خاطر میں نے اپنے دل پر جبر کر کے آپ کو لکھ دیا ہے، براہ کرم خط کو پڑھنے کے بعد اسے پھاڑ کر ضائع کر دیں۔"

یہ سادہ سے چند الفاظ جو ایک معمولی پڑھی لکھی خاتون کے قلم سے محض ضرورت شدید کی بنا پر نکل گئے تھے۔ جب وہ تعلیم یافتہ ڈاکٹر کے پاس پہنچے تو انھوں نے حیرت انگیز کام کیا۔ ڈاکٹر نے جواب میں لکھا:

"گرامی نامہ ملا۔ آپ نے درد سر کی جو کیفیت بیان کی ہے وہ میرے لئے تشخیص کے سلسلے میں بہت معاون ثابت

ہوئی۔ چناں چہ میں نے دوا تجویز کرلی ہے۔ آپ نیٹرم میور ـــــ ۳۰ بازار سے منگوا کر کھالیجئے۔ انشاء اللہ ایک ہی خوراک میں فائدہ محسوس ہوگا۔ مگر میں یہ کہنے کے لئے آپ سے معذرت چاہتا ہوں کہ آپ کے حکم کے بموجب میں آپ کے خط کو پھاڑ نہ سکا۔ کیوں کہ اس کا تعلق صرف آپ کے علاج سے نہیں ہے بلکہ خود اپنے روحانی علاج کے سلسلے میں میں نے اس کو اس قدر مؤثر پایا کہ کسی تحریر یا نصیحت کا اتنا گہرا اور فوری اثر نہ ہوا تھا۔ آپ نے خط کو پھاڑنے کی بات اس خیال سے لکھی ہوگی کہ اس کے اظہار سے آپ کے اجر میں کمی ہوگی۔ لیکن اگر مجھ جیسے کھوئے ہوئے شخص کو کوئی تحریر حرکت میں لا سکے تو وہ بلاشبہ میرے لئے آخری دم تک محبوب ہوگی۔ کاش میرے اندر بھی ایسی ہی کیفیت پیدا ہو جاتی اور رات کی تاریکی میں آخرت کی بازپرس کا ہولناک منظر دیکھنے کی توفیق ہوتی۔ اس لئے یہ اظہار محض آپ کی اجازت کے لئے ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس لحاظ سے اپنے آپ کو بڑا خوش قسمت پایا کہ اپنے ایک مریض کے جسمانی علاج سے مجھے روحانی غذا ملی۔"

یہ خاتون جن کا خط میں نے اوپر نقل کیا، وہ ایک خاموش طبیعت کی خاتون ہیں اور ان کو اپنے بارے میں اس کمی کا شدید احساس ہے کہ وہ تبلیغ و دعوت کا کام نہیں کر سکتیں، مگر آپ نے دیکھا کہ ان کے ایک خاموش عمل نے کس طرح ایک ایسی تبلیغ کا کام انجام دیا جو تقریروں پر بھی بھاری ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ دوسروں کے اوپر تبلیغ و دعوت کا کام کرنے کا مسئلہ سب سے پہلے خود اپنے آپ کو بدلنے کا مسئلہ ہے۔ تبلیغ و دعوت کا کام ذاتی عمل سے نہایت گہرا رشتہ رکھتا ہے۔ جس اسلام کے ہم مبلّغ ہیں، اگر وہ خود ہماری زندگیوں میں اترا ہوا ہے تو وہ بے شمار پہلوؤں سے دعوتی کام میں مؤثر ہوگا۔ اور اگر ہماری زندگی اس سے خالی ہو تو تقریر و تحریر کی شکل میں ممکن ہے کچھ الفاظ وجود میں آجائیں، مگر اس چیز کا وجود نہیں ہو سکتا جس کو حقیقی معنوں میں تبلیغ یا دعوت کہا جاتا ہے۔ دعوت و تبلیغ اور ذاتی عمل کے درمیان یہ رشتہ ان معنوں میں نہیں ہے جیسے کوئی شخص ریاضیات کا لکچرر بننا چاہتا ہو تو وہ پہلے ریاضی کی تعلیم حاصل کر کے اسے خود سیکھتا ہے تاکہ وہ ریاضی کے طلبہ کو اس کا درس دے سکے۔ ذاتی عمل اور تبلیغ کے درمیان اس قسم کا ارادی تعلق نہیں ہے بلکہ وہ ایک فطری تعلق ہے۔ ذاتی عمل کا محرک اصلاً یہ نہیں ہے کہ آدمی کامیاب مبلّغ بن جائے۔ ایسا ذاتی عمل کبھی وجود میں نہیں آسکتا اور اسی لئے اس قسم کا ذہن رکھنے والا شخص کبھی اچھا مبلّغ بھی نہیں بن سکتا، مومن کے اندر عمل کا داعیہ اس لئے نہیں ابھرتا کہ وہ اس کے ذریعہ سے عمدہ قسم کا مبلّغ بن جائے گا، بلکہ جب خدا کا خوف اور آخرت کی بازپرس کا احساس اسے باعمل بنا دیتا ہے تو اس وقت عین اس کے نتیجہ کے طور پر ایسا ہوتا ہے کہ اس کی تبلیغ میں اس کی زندگی کے شرارے جھلکنے لگتے ہیں۔ وہ خود بخود ایک کامیاب مبلّغ بن جاتا ہے۔ تبلیغ و دعوت میں ذاتی زندگی کے یہ اثرات مختلف پہلوؤں سے داخل ہوتے ہیں۔ یہاں صرف دو چیزوں کا ذکر کروں گا۔

۱۔ سب سے پہلا اثر تو وہ ہے جس کو میں بالواسطہ تبلیغ کہوں گا۔ یہ وہ اثر ہے جو تبلیغ میں نکلنے سے پہلے بلا ارادہ اپنے تبلیغی اثرات دکھانا شروع کر دیتا ہے۔ جب ایک بندۂ خدا کے دل میں اپنے رب کے سامنے حاضری کا خوف سماتا ہے تو وہ فوراً اپنی زندگی پر نظر ثانی شروع کر دیتا ہے۔ اندر سے باہر تک اس کی زندگی بدلنے لگتی ہے۔ یہ تبدیلی اگرچہ اپنی

انتہائی اور مکمل شکل میں کسی انسان کے لئے ناقابل مشاہدہ ہے مگر اس کے باوجود اس کی کچھ جھلکیاں مختلف شکلوں میں لوگوں کے سامنے آتی رہتی ہیں اور دیکھنے اور سننے والوں کو متاثر کرتی ہیں۔

جب اس کو یہ احساس ستاتا ہے کہ پچھلی غفلت کی زندگی میں اس نے فلاں شخص کے ساتھ ایک ایسی زیادتی کی تھی جو اس کے لئے آخرت میں باز پرس کا سبب بن سکتی ہے اور وہ اس کے سامنے معافی مانگنے کے لئے حاضر ہوتا ہے تو اس کے کپکپاتے ہوئے ہونٹ سننے والے کو بھی ہلا دیتے ہیں اور غلطی کا اظہار کرتے وقت نکل پڑنے والے آنسو کتنے سیاہ اور غبار آلود دلوں کو دھو کر صاف کر دیتے ہیں۔ جب وہ غلط طریقے سے حاصل کئے ہوئے ایک مال کو اس اندیشے کی بنا پر واپس کرنے جاتا ہے کہ آخرت میں اس کے اصل مالک کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ وہ اس کے بدلے غاصب کا سارا عمل لے لے اور اسے بالکل خالی چھوڑ دے، تو وہ ایک شخص کو صرف اس کا مال ہی نہیں لوٹاتا، بلکہ اسی کے ساتھ اس کو ایمان کی وہ دولت بھی واپس دلاتا ہے جو غفلت میں شیطان اس سے اچک لے گیا تھا۔ جب ایک واقعی نمازی سجدے میں ہمہ تن پڑا ہوا خدا سے اس طرح سرگوشی کر رہا ہوتا ہے کہ بقیہ دنیا کی اسے خبر بھی نہیں ہوتی، عین اس وقت اس کی اس ہیئت و فنائیت کو دیکھ کر کسی بندۂ خدا کا دل اندر ہی اندر اپنے رب کے آگے جھک جاتا ہے۔ وہ بے اختیار چاہنے لگتا ہے کہ وہ بھی اسی طرح اپنے خدا کو پا کر اس سے لپٹ جائے۔ جب زندگی کے عملی معاملات میں لوگوں کو اس سے سابقہ پیش آتا ہے اور لوگ اس کی سچائی، پاکیزگی، دیانت داری اور ایفائے عہد کا تجربہ کرتے ہیں تو وہ اپنے آپ کو بالکل مجبور پاتے ہیں کہ اس دین کی قدر کریں جس کے اندر یہ طاقت ہے کہ ایسے عمدہ انسان تیار کرے، حتیٰ کہ کتنے غیر مسلموں کو اس طرح کے تجربات سے اسلام کی توفیق ملتی ہے اور کتنی غافل روحوں کو دوبارہ اسلام کا شعور نصیب ہوتا ہے۔

دو پتھر باہم ملیں تو کوئی خاص بات نہیں ہوگی۔ لیکن بجلی کا ایک تار جب دوسرے تار سے مس کرتا ہے تو فوراً سادہ تار میں برقی رو دوڑنے لگتی ہے۔ یہی حال انسان کا ہے۔ ایک اچھے انسان کی خصوصیات دوسرے انسان کے لئے برقی رو کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انسان کے اندر فطری طور پر یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ اچھی چیز سے اثر قبول کرتا ہے اور خدا پرستی کی چیزیں اس کے دل کی آواز بن کر اس کی نفسیات میں پیوست ہو جاتی ہیں۔ جب ایک شخص کوئی عمدہ عمل کرتا ہے یا اس کی زندگی سے خدا پرستی کا کوئی نور چھن کر لوگوں کے سامنے آجاتا ہے تو اس وقت دیکھنے والی آنکھیں اور سننے والے کان اسی طرح اس کو قبول کرتے ہیں جیسے بجلی کے تار سے کوئی دوسرا تار برقی رو قبول کرتا ہے۔ اس وقت فطرت کے ایک ان دیکھے تار پر ایک طرف کے جذبات دوسری طرف منتقل ہونے لگتے ہیں، ایک کی بجلی دوسرے کو لرزہ براندام کر دیتی ہے، ایک کی روشنی سے دوسرے کا باطن چمکنے لگتا ہے۔ یہ ایک بالکل فطری عمل ہے جو لازمی طور پر اس وقت وجود میں آتا ہے جب کسی کے اندر ایمان و اسلام کا شعلہ بھڑکے اور اس کے گرد و پیش ایسے لوگ موجود ہوں جن کی فطرت مسخ نہ ہو گئی ہو اور انسانی اوصاف ابھی باقی ہوں۔

۲۔ دوسری چیز وہ ہے جو براہ راست تبلیغ میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ الفاظ جن کے ذریعہ سے ہم اپنی بات دوسرے تک پہنچاتے ہیں وہ کسی مفہوم کا مجرد اظہار نہیں ہیں۔ جیسے پانچ اور دس کسی چیز کے عدد کا مجرد اظہار ہیں

بلکہ اسی کے ساتھ ان کے اندر مختلف قسم کی کیفیات پائی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ الفاظ اور مفہوم کے اعتبار سے دو بالکل یکساں کلام اپنی کیفیت اور اثر کے اعتبار سے بے حد مختلف ہو جاتے ہیں۔ اس فرق کو واضح کرنے کے لئے میں یہاں دو شعر نقل کرتا ہوں :۔

خرابات عالم میں ہر چار جانب چھلکتے ہوئے جام و مینا دھرے ہیں
ضرورت اسی کی ہے اے اہل محفل کوئی ہاتھ اس کو بڑھا کر اٹھا لے

یہ مے خانہ ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی — جو بڑھ کر خود اٹھا لے ہاتھ میں مینا اسی کا ہے

یہ دونوں اشعار مفہوم کے اعتبار سے بالکل ہم معنی ہیں، مگر الفاظ اور دروبست کے فرق نے دونوں میں زمین آسمان کا فرق پیدا کر دیا۔ یہ فرق کی ابتدائی قسم ہے جس کو ہم ادبی فرق کہہ سکتے ہیں۔ اور وہ قدرتِ کلام اور فنی ذوق کا نتیجہ ہوتا ہے۔ دوسرا فرق وہ ہے جو صاحب کلام کی اپنی اندرونی کیفیات کے اعتبار سے وجود میں آتا ہے۔ اگر آپ ایک واقعہ سے متاثر ہوں تو اس کا ذکر کرتے ہوئے نہ صرف آپ کا لب و لہجہ بدل جائے گا۔ بلکہ آپ کی زبان سے ایسے ایسے الفاظ نکلیں گے جو آپ کی اندرونی کیفیات کی ترجمانی کر رہے ہوں۔ جن میں آپ کا تاثر اسی طرح بھرا ہوا ہو جیسے کسی تازہ پھل میں اس کا رس بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر آپ متاثر نہ ہوں تو آپ کا بیان واقعہ محض اخباری رپورٹ معلوم ہوگا۔

ذاتی طور پر ایمان و اسلام کی زندگی کو پالینا آدمی کے تبلیغی کام میں یہی دوسری خصوصیت پیدا کرتا ہے۔ وہ اس کے کلام کو مجرد کلام کے مقام سے اٹھا کر موثر کلام بنا دیتا ہے۔ وہ اس میں شدت جذبات کا رس بھرتا ہے، وہ ننگے الفاظ کو کیفیات کا لباس اڑھاتا ہے۔ وہ حروف کے مجموعوں کو دل کے ٹکڑے بنا دیتا ہے وہ کلام کو خوشبو فروش کا معطر اشتہار بنا دیتا ہے جو صرف پڑھا نہیں جاتا، بلکہ اپنی خوشبو بھی مخاطب تک پہنچا دیتا ہے۔

جس کے اپنے اندر اسلام اترا ہوا نہ ہو، اس کے کلام میں بظاہر تمام شرعی باتیں موجود ہوں گی مگر وہ سب الفاظ کا ایک مجموعہ ہوگا جس میں دل کی بو بسی ہوئی نہیں ہوگی۔ وہ ایک سپاٹ کلام ہوگا جو خود اپنی حقیقتوں سے خالی ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جب ایک ایسا شخص بولتا ہے جس نے فی الواقع دین کو پا لیا ہو تو اس کی زبان اور اس کے الفاظ میں حیرت انگیز خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ جب لوگوں کو آخرت سے ڈراتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ اسرافیل صور لئے کھڑے ہیں اور اس بات کے منتظر ہیں کہ کس وقت حکم ہو اور پھونک مار کر دنیا کو تہ و بالا کر دیں۔ اس کے بے قرار جملے صاف بتاتے ہیں کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے وہ محض کچھ الفاظ کی تکرار نہیں ہے بلکہ وہ ان ہیجان خیز واقعات سے براہ راست آشنا ہو کر بول رہا ہے۔ اس کی تحریروں میں دل کا سوز گھلا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے الفاظ اندرونی تپش کی آنچ سے جل رہے ہوتے ہیں، اس کے ہر بول میں حقیقت کی خوشبو لپٹی ہوئی ہوتی ہے، اس کی سطروں کے درمیان جگہ جگہ نظر آتا ہے کہ آنسوؤں نے ٹپک کر لکھی ہوئی سیاہی کا رنگ بدل دیا ہے۔ یہ چیزیں اس کے کلام کو حقیقت بیانی کے ایک ایسے مقام پر پہنچا دیتی ہیں جہاں دیکھنے والوں کو نظر آتا ہے گویا حقیقت خود مجسم بے نقاب ہو کر سامنے آگئی ہے حقیقت یہ ہے کہ تبلیغ و دعوت کے کام کو موثر بنانے کے لئے خارج میں کوئی ہتھیار موجود نہیں ہے اس کی صرف ایک ہی تدبیر ہے —— اپنے اندرون کو مسلمان بناؤ، اسی وقت تم اپنے بیرون کو مسلمان بنا سکو گے (الفرقان محرم ۱۳۸۴ھ)

ایمان کی برکتیں کس کو ملتی ہیں

ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربا وبمحمد رسولا وبالاسلام دینا

ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان، من کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما ومن احب عبدا لایحبہ الا للہ ومن یکرہ ان یعود فی الکفر بعد اذ انقذہ اللہ کما یکرہ ان یلقی فی النار (بخاری)

ایمان کا مزہ چکھا اس شخص نے جو راضی ہوگیا اللہ کو رب بنانے پر، محمد کو اپنا رسول بنانے پر اور اسلام کو اپنا دین بنانے پر۔ ایمان کی مٹھاس پائی اس شخص نے جس کے اندر تین باتیں ہوں، جس کے لئے اللہ اور رسول تمام دوسری چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں۔ جو کسی شخص سے صرف اللہ کے لئے محبت کرے۔ جو کفر سے نکلنے کے بعد دوبارہ اس کی طرف لوٹنے کو اسی طرح ناپسند کرے جس طرح وہ آگ میں گرنے کو ناپسند کرے گا۔

مومن بنا کیا ہے یہ دنیا میں رہ کر آخرت پسندانہ زندگی اختیار کرنا ہے، یہ نفس اور شیطان کے ماحول میں رہتے ہوئے خدا والا بن کر رہنا ہے، یہ دکھائی دینے والی چیزوں میں گھر کر نہ دکھائی دینے والی چیزوں کا چاہنے والا بننا ہے۔ یہ ایک مشکل فیصلہ ہے اور کسی شخص کو اس مشکل فیصلہ پر قائم رکھنے کی ضامن صرف دو چیزیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ایمان اس کے لئے ذائقہ (مزہ) کی چیز بن گیا ہو جس طرح ایک لذیذ کھانا آدمی کے لئے ذائقہ کی چیز ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ایمان اس کے لئے ایک محبت کا معاملہ بن جائے جس طرح عزیز بیٹے سے تعلق کسی باپ کے لئے محبت کا معاملہ ہوتا ہے۔

کوئی چیز جب آدمی کے لئے مزہ کی چیز بن جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ اس کا تعلق ذاتی مفاد کی حد تک وابستہ ہوگیا ہے۔ جس چیز میں آدمی مزہ پانے لگے اس کو وہ کبھی نہیں چھوڑتا، وہ ہر قیمت پر اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ چیز جس سے آدمی کی روح کو غذا ملے، جس سے اس کے دل کو تسکین حاصل ہوتی ہو، جو اس کے دماغ کو فکری یکسوئی عطا کرتی ہو، جس کے کھونے سے آدمی خالی ہو جائے اور جس کے پانے سے وہ اپنے آپ کو بھرپور محسوس کرے۔ ایسی چیز آدمی کے لئے اسی طرح ضروری ہو جاتی ہے جیسے اس کا اپنا وجود۔ ایمان کی برکتیں آدمی کو اسی وقت ملتی ہیں جب ایمان اس کے لئے اس قسم کا ذائقہ والا ایمان بن جائے۔

باہر کے کسی آدمی سے آپ کو تکلیف پہنچ جائے تو آپ کے دل میں اس کے خلاف مستقل نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ مگر اپنے بیٹے یا بیٹی سے تکلیف پہنچتی ہے تو وقتی احساس کے بعد آپ اس کو بھول جاتے ہیں۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ باہر کے کسی آدمی سے آپ کا تعلق محض رسمی تعلق ہے جب کہ بیٹے اور بیٹی سے آپ کا تعلق محبت کا تعلق ہے۔ رسمی تعلق ہو تو شکایت اور اختلاف پیدا ہوتے ہی تعلق میں فرق آجاتا ہے۔ مگر کسی کے ساتھ محبت کا تعلق پیدا ہو جائے تو شکایت اور اختلاف کے باوجود تعلق میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ محبت کا جذبہ کسی تعلق کو اس سطح پر پہنچا دیتا ہے جہاں تمام مخالف اسباب حذف ہو جاتے ہیں اور صرف موافق اسباب باقی رہتے ہیں۔ اللہ اور رسول سے اسی قسم کا محبت کا تعلق مطلوب ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو آدمی امتحان کے کٹھن حالات میں خدا پرستی پر قائم نہیں رہ سکتا۔

دعوت اور اقدام کا فرق

"میں نے لوگوں کو حق کی طرف پکارا مگر سننے والوں نے نہ مانا تو میرا اس میں کیا قصور"۔

"میں نے حق کی خاطر عملی اقدام کیا مگر لوگوں کی نااہلی کی وجہ سے اقدام کامیاب نہ ہوسکا تو میرا اس میں کیا قصور"

قواعد کی رو سے دونوں جملے یکساں طور پر درست ہیں۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے پہلا جملہ سراسر صحیح اور دوسرا جملہ سراسر غلط ہے۔ دعوت کا مقصود سنانا ہوتا ہے اور عملی اقدام کا مقصود نتیجہ پیدا کرنا۔ اس لئے دونوں کو جانچنے کا معیار ایک نہیں ہوسکتا۔ دعوت کو صرف دعوت کے پیمانہ پر دیکھا جائے گا اور اقدام کو عمل کے پیمانہ پر۔ داعی صرف پکارنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس سے جس بات کا تقاضا کیا جائے گا وہ صرف یہ ہے کہ وہ صحیح بات کی طرف پکارے اور پکارنے میں صحیح انداز اختیار کرے۔ نہ اس کے نشانۂ دعوت میں غلطی ہو اور نہ طریق دعوت میں۔ اس کے بعد جہاں تک نتیجہ کا تعلق ہے، اس کی کوئی ذمہ داری داعی پر نہیں۔ اگر اس نے صحیح بات کی طرف لوگوں کو بلایا ہو اور بلانے کے لئے وہی انداز اختیار کیا ہو جو خدا اور رسول کے مطابق صحیح انداز ہے تو وہ صد فی صد کامیاب ہے، خواہ کسی ایک آدمی نے بھی اس کی بات کو نہ مانا ہو۔

مگر عملی اقدام کرنے والے کا معاملہ مکمل طور پر اس سے مختلف ہے۔ عملی اقدام اس لئے ہوتا ہے کہ ایک سماجی ڈھانچہ کو اکھاڑ کر دوسرا سماجی ڈھانچہ قائم کیا جائے۔ اس میں ایک طرف کچھ موجود لوگوں کو اختیار کے مقام سے ہٹانا اور کچھ دوسرے لوگوں کو اختیار کے مقام پر بٹھانا ہوتا ہے۔ دعوتی کام میں منصوبہ کی تکمیل کا دار و مدار صرف ایک شخص (داعی) کی کارکردگی پر ہوتا ہے۔ جب کہ عملی اقدام میں لازمی طور پر ضروری ہوتا ہے کہ بہت سے لوگ متحدہ طور پر کارکردگی کا ثبوت دیں، ورنہ عملی اقدام کامیاب نہیں ہوگا بلکہ الٹا نقصان دہ ثابت ہوگا۔

اگر آپ کسی سے یہ کہنے جارہے ہوں کہ تم محنت کرکے اپنی خود کفیل معاش پیدا کرو تو اس کے لئے آپ کا مخلص ہونا کافی ہے۔ لیکن اگر آپ کسی کو یہ مشورہ دیں کہ تم اپنا گھر بار بیچ کر بمبئی چلے جاؤ، وہاں تمہارے لئے بہترین گھر بھی ہے اور کاروبار بھی، تو ایسے مشورہ کے لئے آدمی کا مخلص ہونا کافی نہیں۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اس مشورہ کے عملی نتائج کو جانے۔ جو شخص اس مشورہ کے عملی نتائج سے بے خبر ہو اس کے اوپر فرض ہے کہ وہ اپنی زبان بند رکھے۔ کیوں کہ اس قسم کا مشورہ بے خبری کے ساتھ دینا جرم کا درجہ رکھتا ہے۔ ایک شخص فن تعمیر سے ناواقف ہے۔ وہ گھر بنانے کے لئے دیواریں اٹھاتا ہے اور اس کے اوپر مٹی کے گارے سے شہتیر اور سلیب جوڑ دیتا ہے۔ اس کے بعد جب سانچہ ہٹایا جاتا ہے تو چھت گر پڑتی ہے۔ اب ایسا شخص اگر یہ کہے تو کوئی اس کے کہنے کو نہیں سنے گا کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ مٹی کا گارا شہتیر کو نہیں سنبھالے گا۔ میں نے تو نیک نیتی کے ساتھ ایک صحیح کام کیا تھا۔ اب اگر چھت گر پڑی تو اس میں میرا کیا قصور۔ ہر آدمی یہ کہے گا کہ مکان کھڑا کرنا کوئی کھیل تماشا نہیں ہے۔ اگر تم فن تعمیر سے واقف نہ تھے تو تم اپنے گھر میں بیٹھتے، تم کو معمار بننے کی ضرورت کیا تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ عملی اقدام کا معاملہ صد درجہ نازک معاملہ ہے۔ عملی اقدام میں صرف نیک نیتی یا مقصد کی درستگی کافی نہیں۔ اسی کے ساتھ یہ دیکھنا بھی لازمی طور پر ضروری ہے کہ جو شخص عملی اقدام کے لئے اٹھا ہے کیا اس کے پاس اتنی طاقت

ہے کہ وہ موجود لوگوں کو ہٹانے میں کامیاب ہو جائے۔ مزید یہ کہ اگر وہ ایجی ٹیشن کے ذریعہ موجود لوگوں کو ہٹانے میں کامیاب ہو جائے تو کیا خود اقدام کرنے والے کے پاس ایسے افراد موجود ہیں جن کو وہاں بٹھایا جائے تو وہ پچھلے نظام سے زیادہ بہتر نظام قائم کرکے اس کو چلا سکیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک چیز بھی اگر موجود نہ ہو تو عملی اقدام محض ایک جرم کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنا بنا بنایا پختہ گھر گرانا شروع کر دے۔ حالاں کہ اس کے پاس وہ ضروری سامان موجود نہ ہو جس کے ذریعہ وہ دوسرا بہتر گھر بنا سکے۔

اگر اپنا ذاتی معاملہ ہو تو ہر ایک کو معلوم ہے کہ جو شخص مٹی اور سیمنٹ یا کچی اور پکی اینٹوں کا فرق نہ جانے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ گھر کا معمار بن کر کھڑا ہو جائے۔ اس قسم کی بے خبری کے ساتھ کوئی شخص معمار بننے کی ہمت نہیں کرے گا۔ اور اگر کوئی نادان شخص ایسی جرأت کرے تو لوگ کبھی اس کو تحسین نہیں بخشیں گے۔ اس کا عمل اس کو الٹا مجرم ثابت کرنے والا بن جائے گا نہ کہ وہ لوگوں کی نظر میں کسی انعام کا مستحق قرار پائے۔ مگر قومی و ملی معاملات میں اس قسم کے معمار بہت بڑی تعداد میں میدان عمل میں کود تے ہیں۔ وہ مٹی کے گارے سے چھت جوڑتے ہیں مگر عوام کی طرف سے ان کو بڑے بڑے خطابات اور شان دار اعزازات سے نوازا جاتا ہے۔ ذاتی معاملہ میں اقدام کے بعد آدمی نتیجہ کو بھی ضرور دیکھنا چاہتا ہے۔ مگر ملی معاملہ میں اقدام کرنا ہو تو نتیجہ دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں صرف ایک پرشور اقدام کرنا کافی ہے خواہ اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلے یا الٹا نتیجہ برآمد ہو۔

دردسر اور درد گھر دونوں بہت ملتے جلتے الفاظ ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ سر کے درد کا علاج اگر طبی گولی سے ہو جاتا ہے تو گھر کا درد بھی ایک گولی سے ختم ہو جائے گا۔ دونوں لفظوں کا ملتا جلتا ہونا یہ ثابت نہیں کرتا کہ دونوں کا معاملہ ایک ہے اور دونوں کو ایک ڈھنگ سے حل کیا جا سکتا ہے۔ مگر ہمارے مصلحین اکثر اپنے اصلاحی منصوبہ میں یہی غلطی کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ منصوبہ اپنی تکمیل کے مرحلہ میں پہنچ کر بھی کوئی حقیقی نتیجہ پیدا نہیں کرتا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ "قولی اقدام" جس طرح ہر حال میں ایک درست کام ہے اسی طرح "عملی اقدام" بھی ہر حال میں کیا جا سکتا ہے۔ حالاں کہ قولی اقدام اور عملی اقدام ایک دوسرے سے بالکل مختلف چیزیں ہیں۔ لفظی اشتراک کے سوا ان میں کوئی نسبت نہیں۔

ایک درخت کہیں رکاوٹ ڈال رہا ہو اور آپ کی تجویز یہ ہو کہ اس کو کاٹ دیا جائے تو صرف یہ کہنا کافی ہے کہ اس کو کاٹ دو۔ لیکن اگر آپ اس کو بالفعل کاٹنے لگیں تو بہت سے اور پہلوؤں کا اہتمام کرنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً یہ کہ درخت جب کٹ کر گرے تو وہ آپ کے سر پر نہ گرے بلکہ خالی زمین میں گرے۔ اگر آپ اس قسم کا اہتمام کئے بغیر درخت کاٹنا شروع کر دیں اور وہ کٹ کر آپ کے سر پر گر پڑے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے ایک مسئلہ ختم کرنے کے نام پر دوسرا زیادہ بڑا مسئلہ پیدا کر لیا۔ اسی طرح ملت کے معاملات میں اقدام سے پہلے اس سے متعلق تمام پہلوؤں کو سمجھنا اور ان کے بارے میں اہتمام کرنا ضروری ہے۔ ورنہ ملت کی تعمیر کے نام پر ایک "درخت" گرایا جائے گا اور عملاً صرف یہ ہوگا کہ ملت کی تعمیر تو نہ ہوگی البتہ بہت سے لوگوں کے سر ٹوٹ جائیں گے۔ آپ کا اقدام صرف نئے نئے مسئلے پیدا کرے گا مزید اس قیمت پر کہ اصل مسئلہ بدستور باقی رہے۔

قرآن کو سمجھنے کے لئے

قرآن ایک فکری کتاب ہے اور فکری کتاب میں ہمیشہ ایک سے زیادہ تعبیر کی گنجائش رہتی ہے۔ اس لئے قرآن کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پڑھنے والا خالی الذہن ہو۔ اگر پڑھنے والے کا ذہن خالی نہ ہو تو وہ قرآن میں خود اپنی بات پڑھنے گا۔ اس کو سمجھنے کے لئے قرآن کی ایک آیت کی مثال لیجئے :

ومن الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً یحبونھم کحب اللہ والذین آمنوا اشد حبا للہ
بقرہ ۱۶۵

کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا مدمقابل بناتے ہیں اور ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ کے ساتھ ہونا چاہئے۔ حالاں کہ ایمان رکھنے والے سب سے زیادہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

ایک شخص جو سیاسی ذوق رکھتا ہو اور سیاسی اکھیڑ پچھاڑ کو کام سمجھتا ہو وہ جب اس آیت کو پڑھے گا تو اس کا ذہن پوری آیت میں بس انداد (مدمقابل) پر رک جائے گا۔ وہ قرآن سے "مدمقابل" کا لفظ لے لے گا اور بقیہ مفہوم کو اپنے ذہن سے جوڑ کر کہے گا کہ اس سے مراد سیاسی مدمقابل ٹھہرانا ہے، اس آیت میں کہا گیا ہے کہ آدمی کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی کو خدا کا سیاسی مدمقابل بنائے۔ اس تشریح کے مطابق یہ آیت اس کے لئے اس بات کا اجازت نامہ بن جائے گی کہ جس کو وہ خدا کا "سیاسی مدمقابل" بنا ہوا دیکھے اس سے ٹکراؤ شروع کر دے۔ اس کے برعکس جو آدمی سادہ ذہن کے ساتھ اس کو پڑھے گا وہ "انداد" کے لفظ پر نہیں رکے گا بلکہ پوری آیت کی روشنی میں اس کا مفہوم متعین کرے گا۔ ایسے شخص کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگے گی کہ یہاں مدمقابل ٹھہرانے کی جس صورت کا ذکر ہے وہ باعتبار محبت ہے نہ کہ باعتبار سیاست۔ یعنی آیت یہ کہہ رہی ہے کہ آدمی کو سب سے زیادہ محبت صرف خدا سے کرنا چاہئے۔ "حب شدید" کے معاملہ میں کسی دوسرے کو خدا کا ہمسر نہیں بنانا چاہئے۔

قرآن کا ایک عمومی مفہوم ہے اور اس کو سمجھنے کی شرط یہ ہے کہ آدمی خالی الذہن ہو کر قرآن کو پڑھے۔ مگر جو شخص قرآن کے گہرے معانی تک پہنچنا چاہے اس کو ایک اور شرط پوری کرنی پڑتی ہے۔ اور وہ یہ کہ وہ اس راہ کا مسافر بنے جس کا مسافر اس کو قرآن بنانا چاہتا ہے۔ قرآن آدمی کی عملی زندگی کی رہنما کتاب ہے اور کسی عملی کتاب کو اس کی گہرائیوں کے ساتھ سمجھنا اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب کہ آدمی عملاً ان تجربات سے گزرے جن کی طرف اس کتاب میں رہنمائی کی گئی ہے۔

یہ عمل کوئی سیاسی یا سماجی عمل نہیں ہے بلکہ تمام طور پر ایک نفسیاتی عمل ہے۔ اس عمل میں آدمی کو خود اپنے نفس کے مقابلہ میں کھڑا ہونا پڑتا ہے نہ کہ حقیقۃً کسی خارج کے مقابلہ میں۔ قرآن چاہتا ہے کہ آدمی ظاہری دنیا کی سطح پر نہ جئے بلکہ غیب کی دنیا کی سطح پر جئے۔ اس سلسلے میں جن مراحل کی نشان دہی قرآن میں کی گئی ہے ان کو وہ شخص کیسے سمجھ سکتا ہے جو ان مراحل سے آشنا نہ ہوا ہو۔ قرآن چاہتا ہے کہ آدمی صرف اللہ سے ڈرے اور صرف اللہ سے محبت کرے۔ اب جس کا دل اللہ کی محبت میں نہ تڑپا ہو، جس کے بدن کے رونگٹے اللہ کے خوف سے نہ کھڑے ہوئے ہوں وہ کیسے جان سکتا ہے کہ

اللہ سے ڈرنا کیا ہے اور اللہ سے محبت کرنا کیا۔ قرآن چاہتا ہے کہ آدمی خدائی مشن میں اپنے آپ کو اس طرح شامل کرے کہ وہ اس کو اپنا ذاتی مسئلہ بنالے۔ اب جس شخص نے خدا کے کام کو اپنا ذاتی کام نہ بنایا ہو وہ کیوں کر جانے گا کہ خدا کے ساتھ اپنے کو شامل کرنے کا مطلب کیا ہے۔ قرآن یہ چاہتا ہے کہ آدمی انسانوں کے چھیڑے ہوئے مسائل میں گم نہ ہو بلکہ خدا کی طرف سے برسنے والے فیضان میں اپنے کو گم کرے۔ اب جس شخص پر ایسے صبح و شام ہی نہ گزرے ہوں جب کہ خدا کے فیضان میں وہ نہا اٹھے وہ کیسے سمجھ سکتا ہے کہ خدائی فیضان میں نہانے کا مطلب کیا ہے۔ قرآن چاہتا ہے کہ آدمی جہنم سے بھاگے اور جنت کی طرف دوڑے۔ اب جو شخص اس طرح زندگی گزارے کہ جہنم کو اس نے اپنا مسئلہ نہ بنایا ہو اور جنت اس کی ضرورت نہ بنی ہو اس کو کیا معلوم کہ جہنم سے بھاگنا کیا ہوتا ہے اور جنت کی طرف دوڑنا کیا معنی رکھتا ہے۔ قرآن چاہتا ہے کہ آدمی اللہ کی عظمت و کبریائی کے احساس سے سرشار ہو۔ اب جو شخص اپنی عظمت و کبریائی کے مینار میں لذت لے رہا ہو اس کو اس کیفیت کا ادراک کہاں ہو سکتا ہے جب کہ آدمی خدا کی کبریائی کو اس طرح پاتا ہے کہ اپنی طرف اس کو عجز کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

قرآنی عمل اصلاً نفس یا انسان کے اندرونی وجود کی سطح پر ہوتا ہے۔ مگر انسان کسی خلا میں زندگی نہیں گزارتا بلکہ دوسرے بہت سے انسانوں کے درمیان رہتا ہے۔ اس لئے قرآنی عمل باعتبار حقیقت ذاتی عمل ہونے کے باوجود، دو پہلوؤں سے دوسرے انسانوں سے بھی متعلق ہو جاتا ہے۔ ایک اس اعتبار سے کہ آدمی جس قرآنی راستہ کو خود اپناتا ہے اسی راستہ کو اختیار کرنے کی وہ دوسروں کو بھی دعوت دیتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں ایک آدمی اور دوسرے آدمی کے درمیان داعی اور مدعو کا رشتہ قائم ہوتا ہے۔ یہ رشتہ آدمی کو بے شمار تجربات سے گزارتا ہے جو مختلف صورتوں میں آخر وقت تک جاری رہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ مختلف قسم کے انسانوں کے درمیان زندگی گزارتے ہوئے طرح طرح کے تعلقات و معاملات پیش آتے ہیں۔ کسی سے لینا ہوتا ہے اور کسی کو دینا، کسی سے اتفاق ہوتا ہے اور کسی سے اختلاف، کسی سے دوری ہوتی ہے اور کسی سے قربت۔ ان مواقع پر آدمی کیا رویہ اختیار کرے اور کس قسم کا ردعمل پیش کرے، قرآن ان امور میں اس کی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ اگر آدمی اپنی خواہش پر چلنا چاہے تو قرآن کا یہ باب اس پر بند رہے گا اور اگر وہ اپنے کو قرآن کی ماتحتی میں دیدے تو اس پر قرآنی تعلیمات کے ایسے بھید کھلیں گے جو کسی اور طرح اس پر کھل نہیں سکتے۔

قرآن آدمی کو جو مشن دیتا ہے وہ حقیقۃً کوئی "نظام" قائم کرنے کا مشن نہیں ہے۔ بلکہ اپنے آپ کو قرآنی کردار کی صورت میں ڈھالنے کا مشن ہے۔ قرآن کا اصل مخاطب فرد ہے نہ کہ سماج۔ اس لئے قرآن کا مشن فرد پر جاری ہوتا ہے نہ کہ سماج پر۔ تاہم افراد کی قابل لحاظ تعداد جب اپنے آپ کو قرآن کے مطابق ڈھالتی ہے تو اس کے سماجی نتائج بھی لازماً نکلنا شروع ہوتے ہیں۔ یہ نتائج ہمیشہ یکساں نہیں ہوتے بلکہ حالات کے اعتبار سے ان کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں۔ قرآن میں مختلف انبیاء کے واقعات انھیں سماجی نتائج یا سماجی ردعمل کے مختلف نمونے ہیں اور اگر عملی تجربات نے آدمی کی آنکھ کھول دی ہو تو وہ ہر صورت حال کی بابت قرآن میں رہنمائی پاتا چلا جاتا ہے —— قرآن فطرت انسانی کی کتاب ہے۔ قرآن کو وہی شخص بخوبی طور پر سمجھ سکتا ہے جس کے لئے قرآن اس کی فطرت کا مثنیٰ بن جائے۔

حکومت کا تصور

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کا حکومت پانا اور کسی کا حکومت سے محروم ہو جانا تمام تر اللہ کے اختیار کی چیز ہے "کہو، خدایا ملک کے مالک، تو جس کو چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے حکومت چھین لے۔ جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے (آل عمران ۲۶) اس کے بعد دوسری چیز جو قرآن سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ حکومت مسلمانوں کے لئے ایک امر موعود ہے۔ وہ ان کو اللہ کے انعام کے طور پر ملتی ہے "اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو زمین میں اقتدار دے گا جس طرح پچھلوں کو اقتدار دیا تھا، اور ان کے لئے ان کے دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جس کو اللہ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔ وہ میری بندگی کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔ اور جو اس کے بعد انکار کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں (نور ۵۵) پھر حکومت ملنے کے بعد مسلمان کیا کرتے ہیں، اس کا جواب قرآن کے ان لفظوں میں ملتا ہے "وہ لوگ جن کو ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے۔ زکوٰۃ ادا کریں گے۔ بھلائیوں کا حکم دیں گے اور برائیوں سے روکیں گے اور تمام معاملات کا انجام اللہ کے ہاتھ میں ہے (حج ۴۱)

اوپر کی آیات سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ حکومت کا تعلق اللہ کی ان مصلحتوں سے ہے جن کے تحت وہ دنیا کا انتظام کر رہا ہے، اپنی انتظامی مصالح کے تحت اللہ کسی سے اقتدار چھینتا ہے اور اس کو کسی کے حوالے کرتا ہے۔ کسی کے پاس حکومت آگئی ہو تو اس کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ حکومت ہمیشہ کے لئے اس کی موروثی چیز بن گئی۔ اسی طرح یہ بھی درست نہیں کہ حکومت کو نشانہ بنا کر کوئی جدوجہد چلائی جائے۔ کیوں کہ حکومت کسی کو اپنی جدوجہد کی بنا پر نہیں ملتی۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو خدا کی طرف سے کسی کو دی جاتی ہے اور کسی کو نہیں دی جاتی۔

حکومت کی تقسیم میں اللہ کے یہاں سب سے پہلے جو گروہ قابل ترجیح ہے وہ اہل ایمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے وفادار بندوں کو حکومت و اقتدار عطا کرے گا مگر اس وعدہ کا تعلق کسی نسلی گروہ سے نہیں ہے بلکہ ان اہل ایمان سے ہے جو حقیقی معنوں میں اللہ کے مومن ہوں اور حقیقی معنوں میں عمل صالح کا ثبوت دیں۔ یہ وہ نیک بندے ہیں جو اپنے پورے وجود کے ساتھ اللہ کو اپنا مرکز توجہ بنا لیتے ہیں وہ اپنی محبتوں اور عقیدتوں میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ وہ صرف اللہ سے ڈرتے ہیں اور اپنی زندگی کو اسی کی مرضی کے مطابق ڈھالتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کے نزدیک اس کے مستحق قرار پاتے ہیں کہ وہ ان کو حکومت و اقتدار عطا کرے۔ یہ حکومت مسلمانوں کے لئے کوئی "عہدہ" کی چیز نہیں ہوتی بلکہ "ذمہ داری" کی چیز ہوتی ہے۔ وہ اقتدار پا کر اور زیادہ جھک جاتے ہیں۔ وہ لوگوں کا استحصال کرنے کے بجائے لوگوں کے لئے نافع بنتے ہیں۔ وہ حکومت کی طاقت کو ذاتی مفادات کی تکمیل میں نہیں لگاتے بلکہ ان اصولوں کے قائم کرنے میں لگاتے ہیں جو اللہ نے تعلیم فرمایا ہے۔ ان کے سامنے جب کوئی معاملہ آتا ہے تو وہ خواہشوں اور مصلحتوں کے تحت اس کا فیصلہ نہیں کرتے۔ بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ انصاف کا تقاضا کیا ہے اور جو انصاف کا تقاضا ہو اس کے مطابق اپنا فیصلہ دے دیتے ہیں۔

اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں حاکم بنایا ہے۔ پس تم لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرو کہ وہ تم کو اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ اللہ کے راستہ سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے، اس وجہ سے کہ انھوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔ اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے عبث نہیں پیدا کیا، یہ ان لوگوں کا گمان ہے جنھوں نے انکار کیا۔ پس جن لوگوں نے انکار کیا ان کے لئے آگ کی خرابی ہے۔ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک کام کئے اور ان لوگوں کو جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں یکساں کر دیں گے۔ کیا ہم ڈرنے والوں کو ڈھیٹ لوگوں کے برابر کر دیں گے۔ یہ ایک برکت والی کتاب ہے جو ہم نے تمھاری طرف اتاری ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور عقل والے اس سے نصیحت لیں ۲۹ - ۲۶

ہر آدمی کو کہیں نہ کہیں اختیار حاصل ہوتا ہے۔ کسی کے اختیار کا دائرہ چھوٹا ہے اور کسی کا دائرہ بڑا۔ کوئی چھوٹے چھوٹے انفرادی معاملات میں اپنے اختیار کو استعمال کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور کوئی اداروں اور حکومتوں کے بڑے معاملات میں۔ اس طرح ہر شخص کی زندگی میں یہ صورت حال پیش آتی ہے کہ اس کے سامنے ایک معاملہ آتا ہے اور اس میں اس کو فیصلہ دینا ہوتا ہے۔ اس فیصلہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی اس کو خالص حق کے معیار پر دیکھے اور بے لاگ جائزہ میں جو چیز انصاف نظر آئے اس کے مطابق اپنا فیصلہ دے دے، خواہ وہ اس کی مصلحتوں کے مطابق ہو یا اس کے خلاف۔ وہ صرف حق کے پہلو کو سامنے رکھے نہ کہ دوسرے دوسرے پہلوؤں کو۔ یہ حق کے ساتھ فیصلہ کرنا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جب معاملہ سامنے آئے تو آدمی کا ذہن دوسرے دوسرے پہلوؤں سے کام کرنے لگے۔ وہ یہ دیکھے کہ صاحب معاملہ اس کا دوست ہے یا دشمن۔ وہ کمزور اور ناقابل لحاظ ہے یا طاقتور اور قابل لحاظ۔ اس سے تلخ یادیں وابستہ ہیں یا اس سے اچھے تعلقات ہیں۔ اس نے اپنے مقدمہ کو نرم الفاظ میں پیش کیا ہے یا کڑے الفاظ میں۔ اس کا ساتھ دینا مصلحتوں کے مطابق ہے یا مصلحتوں کے خلاف۔ معاملہ سامنے آنے کے بعد آدمی کا ذہن ان پہلوؤں کے زیر اثر کام کرنے لگے۔ وہ انصاف کے پہلو کو چھوڑ کر دوسرے پہلوؤں کی بنیاد پر فیصلہ کرے۔ اسی دوسری صورت کا نام خواہش کی پیروی ہے اور یہی زمین میں فساد برپا کرنا ہے، کیوں کہ ایسا کرنا خدا کے اس نقشہ کو بگاڑنے کے ہم معنی ہے جس کے مطابق خدا نے اس دنیا کو بنایا ہے۔

جو شخص اللہ سے ڈرتا ہو وہ کبھی حق و انصاف سے ہٹنا گوارا نہیں کرے گا۔ کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ سارا معاملہ بالآخر اللہ کے یہاں پیش ہونے والا ہے۔ خدا کی عدالت سامنے آتے ہی ہر دوسری چیز باطل ہو جائے گی اور وہی چیز حق ہوگی جس کو اللہ حق بتائے۔ ایسی حالت میں جو شخص یہ ڈھٹائی دکھائے کہ وہ اپنی خواہشوں اور مصلحتوں کی پیروی کرے وہ حساب کے دن کو بھولا ہوا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ سے ڈرنا اور اللہ سے بے خوف ہو کر زندگی گزارنا دونوں یکساں حالتیں ہیں۔ وہ دنیا کو ایک ایسا بے معنی ہنگامہ خیال کرتا ہے جس کا کوئی نتیجہ آگے نکلنے والا نہ ہو۔ مگر یہ سب سے بڑی بھول ہے اور قرآن اسی لئے اتارا گیا ہے کہ وہ انسان کو اس خطرناک بھول سے نکالے۔

اللہ تم کو تمھاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ اگر عورتیں دو سے زائد ہیں تو ان کے لئے دو تہائی ہے اس مال سے جو مورث چھوڑ گیا ہے اور اگر وہ اکیلی ہے تو اس کے لئے آدھا ہے۔ اور میت کے ماں باپ کو دونوں میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے اس مال کا جو وہ چھوڑ گیا ہے بشرطیکہ مورث کے اولاد ہو۔ اور اگر مورث کے اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کا تہائی ہے اور اگر اس کے بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ یہ حصے وصیت نکالنے کے بعد یا ادائے قرض کے بعد ہیں جو وہ کر جاتا ہے۔ تمھارے باپ ہوں کہ تمھارے بیٹے ہوں، تم نہیں جانتے کہ ان میں تمھارے لئے سب سے زیادہ نافع کون ہے۔ یہ اللہ کا ٹھہرایا ہوا فریضہ ہے۔ بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے۔ اور تمھارے لئے اس مال کا آدھا حصہ ہے جو تمھاری بیویاں چھوڑیں، بشرطیکہ ان کے اولاد نہ ہو۔ اگر ان کے اولاد ہو تو تمھارے لئے بیویوں کے ترکہ کا چوتھائی ہے وصیت نکالنے کے بعد جس کی وہ وصیت کر جائیں یا ادائے قرض کے بعد۔ اور ان بیویوں کے لئے چوتھائی ہے تمھارے ترکہ کا اگر تمھارے اولاد نہیں ہے، اور اگر تمھارے اولاد ہے تو ان کے لئے آٹھواں حصہ ہے تمھارے ترکہ کا بعد وصیت نکالنے کے جس کی تم وصیت کر جاؤ یا ادائے قرض کے بعد۔ اور اگر کوئی مورث مرد یا عورت ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں اور نہ فروع، اور اس کے ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ اور اگر وہ اس سے زائد ہوں تو وہ ایک تہائی میں شریک ہوں گے بعد وصیت نکالنے کے جس کی وصیت کی گئی ہو یا ادائے قرض کے بعد، بغیر کسی کو نقصان پہنچائے۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ علیم و حلیم ہے۔ یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حدیں ہیں۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اللہ اس کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کے مقرر کئے ہوئے ضابطوں سے باہر نکل جائے گا اس کو وہ آگ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے ذلت والا عذاب ہے ۱۱-۱۴

آدمی جو قانون بناتا ہے اس میں کسی نہ کسی پہلو کی طرف جھکاؤ ہو جاتا ہے۔ قدیم قبائلی دور میں لڑکا بہت اہمیت رکھتا تھا، کیوں کہ وہ قبیلہ کے لئے طاقت کا ذریعہ تھا، اس لئے وراثت میں لڑکی کو محروم کر کے سارا حق لڑکے کو دے دیا گیا۔ موجودہ زمانہ میں اس کا ردعمل ہوا تو لڑکا اور لڑکی دونوں برابر کر دئے گئے۔ لیکن پچھلا اصول اگر غیر منصفانہ تھا تو موجودہ اصول غیر حقیقت پسندانہ ہے۔ یہ صرف اللہ ہے جس کا علم و حکمت اس بات کی ضمانت ہے کہ وہ جو قانون دے وہ ہر قسم کی بے اعتدالی سے پاک ہو۔ اللہ نے اس سلسلہ میں جو ضابطے مقرر کئے ہیں وہ نہ صرف یہ کہ سماجی انصاف کا حقیقی ذریعہ ہیں بلکہ آخرت کی زندگی سے بھی ان کا گہرا تعلق ہے۔ یتیموں کے حقوق ادا کرنا، وصیت کی تعمیل کرنا، وراثت کو اس کے وارثوں تک پہنچانا ان امور میں سے ہیں جن پر آدمی کی دوزخ اور جنت کا انحصار ہے۔ ⅓ حصہ میں وصیت کرنا شرعاً جائز ہے۔ لیکن کوئی شخص ایسی وصیت کرے جس کا مقصد حق دار کو وراثت سے محروم کرنا ہو تو یہ ایسا گناہ ہے جو اس کو جہنم کا مستحق بنا سکتا ہے (من ضار فی وصیتہ القاہ اللہ فی وادی جہنم حدیث) اس معاملہ میں آدمی کو خدا کے مقرر کئے ہوئے ضابطہ پر چلنا ہے نہ کہ ذاتی خواہشوں اور خاندانی مصلحتوں کے اوپر۔

اور تمھاری عورتوں میں سے جو کوئی بدکاری کرے تو ان پر اپنوں میں سے چار مرد گواہ کرو۔ پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں کے اندر بند رکھو، یہاں تک کہ ان کو موت اٹھالے یا اللہ ان کے لئے کوئی راہ نکال دے۔ اور تم میں سے دو مرد جو وہی بدکاری کریں تو ان کو اذیت پہنچاؤ۔ پھر اگر وہ دونوں توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں تو ان کا خیال چھوڑ دو۔ بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ توبہ جس کی قبول کرنا اللہ کے ذمہ ہے وہ ان لوگوں کی ہے جو بری حرکت نادانی سے کر بیٹھتے ہیں، پھر جلد ہی توبہ کرلیتے ہیں۔ وہی ہیں جن کی توبہ اللہ قبول کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور ایسے لوگوں کی توبہ نہیں ہے جو برابر گناہ کرتے رہیں، یہاں تک کہ جب موت ان میں سے کسی کے سامنے آجائے تب وہ کہے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں اور نہ ان لوگوں کی توبہ ہے جو اس حال میں مرتے ہیں کہ وہ کافر ہیں۔ ان کے لئے تو ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

۱۵ – ۱۸

کوئی مرد یا عورت اگر ایسا فعل کر بیٹھے جو شریعت کے نزدیک گناہ ہو تب بھی اس کے ساتھ جو معاملہ کیا جائے گا وہ قانون کے مطابق کیا جائے گا نہ کہ قانون سے آزاد ہو کر۔ قانون کے تقاضے پورا کئے بغیر کسی کو مجرم قرار دینا درست نہیں۔ کسی کا مجرم ہونا دوسرے کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ اس کے خلاف ظالمانہ کارروائی کرنے لگے۔ سزا کا مقصد عدل کا قیام ہے اور عدل کا قیام ظلم اور بے انصافی کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر گناہ کرنے والا تائب ہو اور اپنی اصلاح کرلے تو اس کے بعد فوراً لازم ہو جاتا ہے کہ اس کے ساتھ شفقت اور درگزر کا معاملہ کیا جائے۔ کسی کے ماضی کی بنیاد پر اس کو ملعون کرنا درست نہیں۔ جب اللہ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور اپنی اصلاح کرلینے والوں کی طرف دوبارہ مہربانی کے ساتھ پلٹ آتا ہے تو انسانوں کو کیا حق ہے کہ ایسے کسی شخص کو طنز و ملامت کا نشانہ بنائیں۔ ایسے کسی شخص کو طنز و ملامت کا نشانہ بنا کر آدمی خود اپنے آپ کو مجرم ثابت کر رہا ہے نہ کہ کسی دوسرے آدمی کو۔

توبہ زبان سے "توبہ" کا لفظ بولنے کا نام نہیں۔ یہ اپنی گنہ گاری کے شدید احساس کا نام ہے۔ اور آدمی اگر اپنی توبہ میں سنجیدہ ہو اور واقعی شدت کے ساتھ اس نے اپنی گنہ گاری کو محسوس کیا ہو تو وہ آدمی کے لئے اتنا سخت معاملہ ہوتا ہے کہ توبہ آدمی کے لئے اپنی سزا آپ دینے کے ہم معنی بن جاتی ہے۔ یہ کیفیت آدمی کے اندر اگر اللہ کے ڈر سے پیدا ہوئی ہو تو اللہ ضرور اس کو معاف کر دیتا ہے۔ مگر ان لوگوں کے توبہ کی اللہ کے نزدیک کوئی قیمت نہیں جو اتنے جری ہوں کہ جان بوجھ کر اللہ کی نافرمانی کرتے رہیں۔ اور تنبیہ کے باوجود اس پر قائم رہیں، البتہ جب دنیا سے جانے کا وقت آجائے تو کہیں کہ "میں نے توبہ کی" اسی طرح ان لوگوں کی توبہ بھی بے فائدہ ہے جو آخرت میں عذاب کو سامنے دیکھ کر اپنے جرم کا اقرار کریں گے

توبہ کی حقیقت بندے کا اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے تاکہ اس کا رب بھی اس کی طرف پلٹے۔ توبہ اس شخص کے لئے ہے جو وقتی جذبہ سے مغلوب ہو کر بری حرکت کر بیٹھے، پھر اس کا احتساب نفس جلد ہی اس کو اپنی غلطی کا احساس کرا دے وہ برائی کو چھوڑ کر دوبارہ نیکی کی روش اختیار کرے اور شریعت کے مطابق اپنی زندگی کی اصلاح کرلے۔ ایسا ہی آدمی توبہ کرنے والا ہے اور جو شخص اس طرح توبہ کرے اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے گھر کا بھٹکا ہوا آدمی دوبارہ اپنے گھر واپس آجائے۔

اے ایمان والو تمھارے لئے جائز نہیں کہ تم عورتوں کو زبردستی اپنی میراث میں لے لو اور نہ ان کو اس غرض سے روکے رکھو کہ تم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس کا کچھ حصہ ان سے لے لو مگر اس صورت میں کہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی کریں۔ اور ان کے ساتھ اچھی طرح گزر بسر کرو۔ اگر وہ تم کو ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تم کو پسند نہ ہو مگر اللہ نے اس میں تمھارے لئے بہت بڑی بھلائی رکھ دی ہو۔ اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اس کو بہت سا مال دے چکے ہو تو تم اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ کیا تم اس کو بہتان لگا کر اور صریح ظلم کرکے واپس لوگے۔ اور تم کس طرح اس کو لوگے جب کہ ایک دوسرے سے خلوت کر چکا ہے اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں۔ اور ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمھارے باپ نکاح کر چکے ہیں، مگر جو پہلے ہو چکا۔ بے شک یہ بے حیائی ہے اور نفرت کی بات ہے اور بہت برا طریقہ ہے ۲۲ - ۱۹

مرنے والے کے مال میں یقیناً بعد والوں کو وراثت کا حق ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ مرنے والے کی بیوی کو بھی بعد کے لوگ اپنی میراث سمجھ لیں اور جس طرح چاہیں اس کو استعمال کریں۔ مال ایک بے حس اور محکوم چیز ہے اور اس میں وراثت چلتی ہے۔ مگر انسان ایک زندہ اور آزاد ہستی ہے۔ اس کو اختیار ہے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے مستقبل کا فیصلہ کرے۔

عورت میں اگر کوئی جسمانی یا مزاجی کمی ہے تو اس کو برداشت کرتے ہوئے عورت کو موقع دینا چاہئے کہ وہ اللہ کی دی ہوئی دوسری خصوصیتوں کو بروئے کار لا کر گھر کی تعمیر میں اپنا حصہ ادا کرے۔ آدمی کو چاہئے کہ ظاہری ناپسندیدگی کو بھول کر باہمی تعلق کو نبھائے۔ کسی خاندان اور اسی طرح کسی معاشرہ کی ترقی و استحکام کا راز یہ ہے کہ اس کے افراد ایک دوسرے کی کمیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کی خوبیوں کو بروئے کار آنے کا موقع دیں۔ جو لوگ اللہ کی خاطر موجودہ دنیا میں صبر و برداشت کا طریقہ اختیار کریں وہی وہ لوگ ہیں جو آخرت کی جنتوں میں داخل کئے جائیں گے۔

جب آدمی کو اپنا شریک حیات ناپسند ہو اور وہ صبر کا طریقہ اختیار نہ کرکے علیحدگی کا فیصلہ کرے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس علیحدگی کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے وہ دوسرے فریق کی خامیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کرتا ہے۔ وہ اس پر جھوٹے الزام لگاتا ہے۔ وہ اس کے خلاف ظالمانہ کارروائی کرتا ہے تاکہ وہ گھبرا کر خود ہی بھاگ جائے۔ اسی طرح جب آدمی کسی سے تعلق توڑتا ہے تو ضد میں آکر فریق ثانی کو دی ہوئی چیزیں اس سے واپس چھیننے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر یہ سب عہد کی خلاف ورزی ہے اور عہد اللہ کی نظر میں ایسی مقدس چیز ہے کہ اگر وہ غیر تحریری شکل میں ہو تب بھی اس کی پابندی اتنی ہی ضروری ہے جتنا کہ تحریری عہد کی۔

"جو ہو چکا سو ہو چکا" کا اصول صرف نکاح سے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک عام اصول ہے۔ زندگی کے نظام میں جب بھی کوئی تبدیلی آتی ہے، خواہ وہ گھریلو زندگی میں ہو یا قومی زندگی میں، تو ماضی کے بہت سے امور ایسے ہوتے ہیں جو نئے انقلاب کے معیار پر غلط نظر آتے ہیں۔ ایسے مواقع پر ماضی کو کریدنا اور گزری ہوئی غلطیوں پر احکام صادر کرنا بے شمار نئے مسائل پیدا کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس لئے صحیح طریقہ یہ ہے کہ ماضی کو بھلا دیا جائے اور صرف حال اور مستقبل کی اصلاح پر اپنی کوششیں لگا دی جائیں۔

تمھارے اوپر حرام کی گئیں تمھاری مائیں، تمھاری بیٹیاں، تمھاری بہنیں، تمھاری پھوپھیاں، تمھاری خالائیں، تمھاری بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا، تمھاری دودھ شریک بہنیں، تمھاری عورتوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمھاری پرورش میں ہیں جو تمھاری ان بیویوں سے ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہے، لیکن اگر ابھی تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اور تمھارے صلبی بیٹوں کی بیویاں اور یہ کہ تم اکٹھا کرو دو بہنوں کو مگر جو پہلے ہوچکا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور وہ عورتیں بھی حرام ہیں جو کسی دوسرے کے نکاح میں ہوں مگر یہ کہ وہ جنگ میں تمھارے ہاتھ آئیں۔ یہ اللہ کا حکم ہے تمھارے اوپر۔ ان کے علاوہ جو عورتیں ہیں وہ سب تمھارے لئے حلال ہیں بشرطیکہ تم اپنے مال کے ذریعہ سے ان کے طالب ہو، ان کو قید نکاح میں لے کر نہ کہ بدکاری کے طور پر۔ پھر ان عورتوں میں سے جن کو تم کام میں لائے ان کو ان کا طے شدہ مہر دے دو۔ اور مہر کے ٹھہرانے کے بعد جو تم نے آپس میں راضی نامہ کیا ہو تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور تم میں سے جو شخص مقدرت نہ رکھتا ہو کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرسکے تو اس کو چاہئے کہ وہ تمھاری ان کنیزوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرلے جو تمھارے قبضہ میں ہوں اور مومنہ ہوں۔ اللہ تمھارے ایمان کو خوب جانتا ہے، تم آپس میں ایک ہو۔ پس ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کرلو اور معروف طریقہ سے ان کے مہر ادا کردو، اس طرح کہ وہ قید نکاح میں لائی جائیں نہ کہ آزاد شہوت رانی کریں اور چوری چھپے آشنائیاں کریں۔ پھر جب وہ قید نکاح میں آجائیں اور اس کے بعد وہ بدکاری کی مرتکب ہوں تو آزاد عورتوں کے لئے جو سزا ہے اس کی نصف سزا ان پر ہے۔ یہ اس کے لئے ہے جو تم میں سے بدکاری کا اندیشہ رکھتا ہو۔ اور اگر تم ضبط سے کام لو تو یہ تمھارے لئے زیادہ بہتر ہے، اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۲۳ - ۲۵

انسان کے اندر بہت سی فطری خواہشیں ہیں۔ انھیں میں سے ایک شہوانی خواہش ہے جو عورت اور مرد کے درمیان پائی جاتی ہے۔ شریعت تمام انسانی جذبات کی حدبندی کرتی ہے۔ اسی طرح اس نے شہوانی جذبات کے لئے بھی حدود اور ضابطے مقرر کئے ہیں۔ شریعت الٰہی کے مطابق عورت اور مرد کے درمیان صرف وہی شہوانی تعلق صحیح ہے جو نکاح کی صورت میں ایک سنجیدہ معاشرتی معاہدہ کی حیثیت سے قائم ہو۔ پھر یہ کہ جس طرح فطری جذبات کی تسکین ضروری ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ خاندانی زندگی میں تقدس کی فضا موجود رہے۔ اس مقصد کے لئے نسب یا رضاعت یا مصاہرت کے تحت قائم ہونے والے کچھ رشتوں کو حرام قرار دے دیا گیا تاکہ بالکل قریبی رشتوں کے درمیان تعلق شہوانی جذبات سے بالا رہے۔

انسان کی عزت و بڑائی کا معیار وہ دکھائی دینے والی چیزیں نہیں ہیں جن پر لوگ ایک دوسرے کی عزت و بڑائی کو ناپتے ہیں۔ بلکہ بڑائی کا معیار وہ نہ دکھائی دینے والا ایمان ہے جو صرف اللہ کے علم میں ہوتا ہے۔ گویا کسی کا عزت والا ہونا یا بے عزت والا ہونا ایسی چیز نہیں جو آدمی کو معلوم ہو۔ یہ تمام تر نامعلوم چیز ہے اور اس کا فیصلہ آخرت میں اللہ کی عدالت میں ہونے والا ہے۔ یہ ایک ایسا تصور ہے جو آدمی سے برتری کا احساس چھین لیتا ہے۔ اور برتری کا احساس ہی وہ چیز ہے جو بیشتر معاشرتی خرابیوں کی اصل جڑ ہے۔

اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے بیان کرے اور تمہیں ان لوگوں کے طریقوں کی ہدایت دے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور تم پر توجہ کرے، اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے اوپر توجہ کرے اور جو لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کر رہے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہ راست سے بہت دور نکل جاؤ۔ اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ کو ہلکا کرے اور انسان کمزور بنایا گیا ہے ۲۶ ـ ۲۸

زندگی کے طریقے جو قرآن میں بتائے گئے ہیں وہ کوئی نئے نہیں ہیں۔ ہر دور میں اللہ اپنے پیغمبروں کے ذریعہ ان کا اعلان کراتا رہا ہے۔ ہر زمانہ کے خدا پرست لوگوں کا اسی پر عمل تھا۔ مگر قدیم آسمانی کتابوں کے محفوظ نہ رہنے کی وجہ سے یہ طریقے گم ہو گئے۔ اب اللہ نے اپنے آخری رسول کے ذریعہ ان کو عربی زبان میں اتارا اور ان کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ آج جب کوئی گروہ ان طریقوں پر اپنی زندگی کو ڈھالتا ہے تو گویا وہ صالحین کے اس ابدی قافلہ میں شامل ہو جاتا ہے جن کو اللہ کی رحمتوں میں حصہ ملا، جو ہر زمانہ میں اللہ کے اس راستہ پر چلے جس کو اللہ نے اپنے وفادار بندوں کے لئے کھولا تھا۔

ہر انسانی گروہ میں ایسا ہوتا ہے کہ کچھ چیزیں صدیوں کے رواج سے جڑ جما لیتی ہیں۔ وہ لوگوں کے ذہنوں پر اس طرح چھا جاتی ہیں کہ ان کے خلاف سوچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جب اللہ کا کوئی بندہ معاشرتی اصلاح کا کام شروع کرتا ہے تو اس قسم کے لوگ چیخ اٹھتے ہیں۔ اپنے مانوس طریقوں کو چھوڑ کر نامانوس طریقوں کو اختیار کرنا ان کے لئے سخت دشوار ہو جاتا ہے۔ وہ ایسی اصلاحی تحریک کے دشمن بن جاتے ہیں جو ان کو ان کے باپ دادا کے طریقوں سے ہٹانا چاہتی ہو۔ اس سلسلہ میں طبقہ کا ردعمل اور بھی زیادہ شدید ہوتا ہے۔ جب دین کا اندرونی پہلو کمزور رہتا ہے تو خارجی موشگافیاں جنم لیتی ہیں۔ اب آداب و قواعد کا ایک ظاہری ڈھانچہ بنا لیا جاتا ہے۔ لوگ دین کی اصل کیفیات سے خالی ہوتے ہیں اور ظاہری آداب و قواعد کی پابندی کر کے سمجھتے ہیں کہ وہ خدا کے دین پر قائم ہیں۔ یہ خود ساختہ دین اسلاف سے منسوب ہو کر دھیرے دھیرے مقدس بن جاتا ہے اور نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ خدا کا سادہ اور فطری دین ان کو اجنبی معلوم ہوتا ہے اور اپنا جکڑ بندیوں والا دین عین برحق نظر آتا ہے۔ ایسی حالت میں جو تحریک اصلی اور ابتدائی دین کو زندہ کرنے کے لئے اٹھے وہ اس کے شدید مخالف ہو جاتے ہیں۔ کیوں کہ اس میں ان کو اپنی دین داری کی نفی ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ مثلاً خدا کی شریعت میں حیض کے زمانہ میں عورت کے ساتھ مباشرت ناجائز ہے، اس کے علاوہ دوسرے تعلقات اسی طرح رکھے جا سکتے ہیں جس طرح عام دنوں میں ہوتے ہیں۔ یہودیوں نے اس سادہ حکم پر اضافہ کر کے یہ مسئلہ بنایا کہ ایام ماہواری میں عورت کی پکائی ہوئی چیز کو کھانا، اس کے ہاتھ کا پانی پینا، اس کے ساتھ ایک جگہ بیٹھنا، اس کو اپنے ہاتھ سے چھونا، سب ناجائز یا کم از کم تقویٰ کے خلاف ہیں۔ اس طرح حائضہ عورت سے مکمل دوری گویا پارسائی کی علامت بن گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں جب خدا کی اصلی شریعت کو زندہ کیا تو یہودی بگڑ گئے۔ وہ چیز جس پر انھوں نے اپنی پارسائی کی عمارت کھڑی کی تھی دفعۃً گرتی ہوئی نظر آئی ـــــ خدا کے سادہ دین کو جب بھی زندہ کیا جائے تو وہ لوگ اس کے سخت مخالف ہو جاتے ہیں جو بناوٹی دین کے اوپر اپنی دین داری کی عمارت کھڑی کئے ہوئے ہوں۔ یہ ان سے سرداری چھیننے کے ہم معنی ہوتا ہے اور سرداری کا چھنن کوئی برداشت نہیں کرتا۔

اے ایمان والو، آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طور پر نہ کھاؤ مگر یہ کہ تجارت ہو آپس کی خوشی سے۔ اور خون نہ کرو آپس میں۔ بے شک اللہ تمھارے اوپر بڑا مہربان ہے۔ اور جو شخص سرکشی اور ظلم سے ایسا کرے گا اس کو ہم ضرور آگ میں ڈالیں گے اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچتے رہے جن سے تمھیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمھاری چھوٹی برائیوں کو معاف کر دیں گے اور تم کو عزت کی جگہ داخل کریں گے۔ اور تم ایسی چیز کی تمنا نہ کرو جس میں اللہ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی ہے۔ مردوں کے لئے حصہ ہے اپنی کمائی کا اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اپنی کمائی کا۔ اور اللہ سے اس کا فضل مانگو۔ بے شک اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ اور ہم نے والدین اور قرابت مندوں کے چھوڑے ہوئے میں سے ہر ایک کے لئے وارث ٹھہرا دئے ہیں اور جن سے تم نے عہد باندھ رکھا ہو تو ان کو ان کا حصہ دے دو، بے شک اللہ کے روبرو ہے ہر چیز ۲۹ - ۳۳

ایک کا مال دوسرے تک پہنچنے کی ایک صورت یہ ہے کہ ایک آدمی دوسرے کی ضرورت فراہم کرے اور اس سے اپنی محنت کا معاوضہ لے۔ یہ تجارت ہے اور شریعت کے مطابق یہی کسب معاش کا صحیح طریقہ ہے۔ اس کے بجائے چوری، دھوکا، جھوٹ، رشوت، سود، جوا وغیرہ سے جو مال کمایا جاتا ہے وہ خدا کی نظر میں ناجائز طریقہ سے کمایا ہوا مال ہے۔ یہ لوٹ کی مختلف قسمیں ہیں اور جو لوگ تجارت کے بجائے لوٹ کو اپنا ذریعہ معاش بنائیں وہ دنیا میں خواہ کامیاب رہیں مگر آخرت میں ان کے لئے آگ کا عذاب ہے۔ آدمی کی جان کا معاملہ بھی یہی ہے۔ آدمی کو مارنے کا حق صرف ایک قائم شدہ حکومت کو ہے جو خدا کے قانون کے تحت باقاعدہ الزام ثابت ہونے کے بعد اس کے خلاف کارروائی کرے۔ اس کے سوا جو شخص کسی کو اس کی زندگی سے محروم کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ فعل حرام کا ارتکاب کرتا ہے جس کے لئے اللہ کے یہاں سخت سزا ہے۔ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا جرم عدوان اور سرکشی ہے یعنی حد سے نکلنا اور ناحق کسی کو ستانا۔ جو لوگ عدوان اور ظلم سے اپنے کو بچائیں ان کے ساتھ اللہ یہ خصوصی معاملہ فرمائے گا کہ وہ آخرت کی دنیا میں اس طرح داخل ہوں گے کہ ان کی معمولی کوتاہیاں اور لغزشیں ان سے دور کی جا چکی ہوں گی۔

دنیا میں ایک آدمی اور دوسرے آدمی کے درمیان فرق رکھا گیا ہے۔ کسی کو جسمانی اور ذہنی قوتوں میں کم حصہ ملا ہے اور کسی کو زیادہ۔ کوئی اچھے حالات میں پیدا ہوتا ہے اور کوئی برے حالات میں۔ کسی کے پاس بڑے بڑے ذرائع ہیں اور کسی کے پاس معمولی ذرائع۔ آدمی جب کسی دوسرے کو اپنے سے بڑھا ہوا دیکھتا ہے تو اس کے اندر فوراً اس کے خلاف جلن پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے اجتماعی زندگی میں حسد، عداوت اور باہمی کشمکش پیدا ہوتی ہے۔ مگر ان چیزوں کے اعتبار سے اپنے یا دوسرے کو تولنا نادانی ہے۔ یہ سب دنیوی اہمیت کی چیزیں ہیں۔ یہ دنیا میں ملی ہیں اور دنیا ہی میں رہ جانے والی ہیں۔ اصل اہمیت آخرت کی کامیابی کی ہے اور آخرت کی کامیابی میں ان چیزوں کا کچھ بھی دخل نہیں۔ آخرت کی کامیابی کا انحصار اس عمل پر ہے جو آدمی ارادہ و اختیار سے اللہ کے لئے کرتا ہے۔ اس لئے بہترین عقل مندی یہ ہے کہ آدمی حسد سے اپنے آپ کو بچائے اور اللہ سے توفیق کی دعا کرتے ہوئے اپنے آپ کو آخرت کے لئے عمل کرنے میں لگا دے۔

مرد عورتوں کے اوپر قوام ہیں۔ اس بنا پر کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد نے اپنے مال خرچ کئے۔ پس جو نیک عورتیں ہیں وہ فرماں برداری کرنے والی، پیٹھ پیچھے نگہبانی کرتی ہیں اللہ کی حفاظت سے۔ اور جن عورتوں سے تم کو سرکشی کا اندیشہ ہو ان کو سمجھاؤ اور ان کو ان کے بستروں میں تنہا چھوڑ دو اور ان کو سزا دو۔ پس اگر وہ تمھاری اطاعت کریں تو ان کے خلاف الزام کی راہ نہ تلاش کرو۔ بے شک اللہ سب سے اوپر ہے، بہت بڑا ہے۔ اور اگر تمھیں میاں بیوی کے درمیان تعلقات بگڑنے کا اندیشہ ہو تو ایک منصف مرد کے رشتہ داروں میں سے کھڑا کرو اور ایک منصف عورت کے رشتہ داروں میں سے کھڑا کرو۔ اگر دونوں اصلاح چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کردے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا خبردار ہے ۳۵-۳۴

جہاں بھی آدمیوں کا کوئی مجموعہ ہو، خواہ وہ خاندان کی صورت میں ہو یا مملکت کی صورت میں، ضروری ہے کہ اس کے اوپر سردار اور سربراہ ہو، اور یہ سربراہ لازماً ایک ہی ہو سکتا ہے۔ دنیا کے بارے میں اللہ کا بنایا ہوا جو منصوبہ ہے اس میں خاندان کی سربراہی کے لئے مرد کو متعین کیا گیا ہے اور اسی کے لحاظ سے اس کی تخلیق ہوئی ہے۔ مرد کی بناوٹ اور عورت کی بناوٹ میں جو حیاتیاتی اور نفسیاتی فرق ہے وہ اللہ کے اسی تخلیقی منصوبہ کی مطابقت میں ہے۔ اب اگر کچھ لوگ اللہ کے منصوبہ کے خلاف چلیں تو وہ صرف بگاڑ پیدا کرنے کا سبب بنیں گے۔ کیوں کہ خدا کا کارخانہ تو مرد اور عورت کو بدستور اپنے منصوبہ کے مطابق بناتا رہے گا جس میں "قوامیت" کی صلاحیتیں مرد کو دی گئی ہوں گی اور "اطاعت" کی صلاحیتیں عورت کو۔ جب کہ ان کے معاشرتی استعمال میں خدائی تخلیق کی رعایت نہ ہو رہی ہوگی۔ ایسے برتضاد کا نتیجہ اس دنیا میں صرف بگاڑ ہے۔

بہترین عورت وہ ہے جو اللہ کے تخلیقی منصوبہ میں اپنے کو شامل کرتے ہوئے مرد کی برتری تسلیم کرلے۔ اسی طرح بہترین مرد وہ ہے جو اپنی برتر حیثیت کی بنا پر اس حقیقت کو بھول نہ جائے کہ خدا اس سے بھی زیادہ برتر ہے۔ خدا کی عدالت میں عورت مرد کا کوئی فرق نہیں، یہ فرق تمام تر صرف انتظام دنیا کے اعتبار سے ہے نہ کہ آخرت میں تقسیم انعامات کے اعتبار سے۔ مرد کو چاہئے کہ وہ عورت کے حق میں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کا پورا اہتمام کرے۔ کوئی عورت اگر ایسی ہو جو مرد کی انتظامی بڑائی کو نہ مانے تو ایسا ہرگز نہ ہونا چاہئے کہ مرد کے اندر انتقام کا جذبہ ابھر آئے یا وہ الزامات لگا کر عورت کو بدنام کرے۔ کوئی بھی برتری کسی کو انصاف کی پابندی سے بری الذمہ نہیں کرتی۔ البتہ خصوصی حالات میں مرد کو یہ حق ہے کہ کسی عورت کے اندر اگر وہ سرتابی دیکھے تو اس کی اصلاح کی کوشش کرے۔ یہ اصلاح اولاً سمجھانے بجھانے سے شروع ہوگی۔ پھر دباؤ ڈالنے کے لئے ترک کلام اور ترک تعلق کیا جا سکتا ہے۔ آخری درجہ میں مرد اس کو ہلکی سزا دے سکتا ہے، جیسے مسواک سے مارنا۔

دو آدمیوں میں جب باہمی اختلاف ہو تو دونوں کا ذہن ایک دوسرے کے بارے میں متاثر ذہن بن جاتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے بارے میں خالص واقعاتی انداز سے سوچ نہیں پاتے۔ ایسی حالت میں معاملہ کو طے کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ دونوں اپنے سوا کسی دوسرے کو حکم بنانے پر راضی ہو جائیں۔ دوسرا شخص معاملہ سے ذاتی طور پر وابستہ نہ ہونے کی وجہ سے غیر متاثر ذہن کے تحت سوچے گا اور ایسے فیصلہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو جائے گا جو حقیقت واقعہ کے مطابق ہو۔

اور اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ اور اچھا سلوک کرو ماں باپ کے ساتھ اور قرابت داروں کے ساتھ اور یتیموں اور مسکینوں اور رشتہ دار پڑوسی اور اجنبی پڑوسی اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر کے ساتھ اور مملوک کے ساتھ۔ بے شک اللہ پسند نہیں کرتا اترانے والے بڑائی کرنے والے کو جو کہ بخل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخل سکھاتے ہیں اور جو کچھ انھیں اللہ نے اپنے فضل سے دے رکھا ہے اس کو چھپاتے ہیں۔ اور ہم نے منکروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ اپنا مال لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے، اور جس کا ساتھی شیطان بن جائے تو وہ بہت برا ساتھی ہے۔ ان کا کیا نقصان تھا اگر وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ نے جو کچھ انھیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے۔ اور اللہ ان سے اچھی طرح باخبر ہے۔ بے شک اللہ ذرا بھی کسی کی حق تلفی نہیں کرے گا۔ اگر نیکی ہو تو وہ اس کو دگنا بڑھا دیتا ہے اور اپنے پاس سے بہت بڑا ثواب دیتا ہے ۳۶ ـ ۴۰

انسان کے پاس جو کچھ ہے سب اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دے، وہ اس کا عبادت گزار بن جائے۔ جب آدمی اس طرح اللہ والا بنتا ہے تو اس کے اندر فطری طور پر تواضع کا مزاج پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا یہ مزاج ان انسانوں سے تعلقات میں ظاہر ہوتا ہے جن کے درمیان وہ زندگی گزار رہا ہو۔ اس کا یہ مزاج ماں باپ کے معاملہ میں حسن سلوک کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ہر شخص جس سے اس کا واسطہ پڑتا ہے وہ اس کو ایسا انسان پاتا ہے جیسے وہ اللہ کو اپنے اوپر کھڑا ہوا دیکھ رہا ہو۔ وہ ہر ایک کا حق اس کے تعلق کے موافق اور اس کی حاجت مندی کے مناسب ادا کرنے والا بن جاتا ہے۔ جو شخص بھی کسی حیثیت سے اس کے ربط میں آتا ہے اس کو نظر انداز کرنا اس کو ایسا لگتا ہے جیسے وہ خود اپنے کو اللہ کے یہاں نظر انداز کئے جانے کا خطرہ مول لے رہا ہے۔

جو شخص اپنے آپ کو اللہ کے حوالے نہ کرے اس کے اندر فخر کی نفسیات ابھرتی ہے۔ اس کے پاس جو کچھ ہے اس کو وہ اپنی محنت و قابلیت کا کرشمہ سمجھتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی کمائی کو صرف اپنا حق سمجھتا ہے۔ کمزور رشتہ داروں یا محتاجوں سے تعلق جوڑنا اس کو اپنے مقام سے نیچے درجہ کی چیز معلوم ہوتی ہے۔ وہ اپنی مصلحتوں یا خواہشوں کی تسکین میں خوب مال خرچ کرتا ہے مگر وہ مدیں جن میں خرچ کرنا اس کی انا کو غذا دینے والا نہ ہو وہاں خرچ کرنے میں دل تنگ ہوتا ہے۔ نمائش کے مواقع پر خرچ کرنے میں وہ فیاض ہوتا ہے اور خاموش دینی مواقع پر خرچ کرنے میں بخیل۔ جو لوگ خدا کی نعمت سے تواضع کے بجائے فخر کی غذا لیں، جو خدا کے دئے ہوئے مال کو خدا کی بتائی ہوئی مدوں میں نہ خرچ کریں۔ البتہ اپنے نفس کے تقاضوں پر خرچ کرنے کے لئے فیاض ہوں، ایسے لوگ شیطان کے ساتھی ہیں۔ شیطان نے ان کو کچھ سامنے کا نفع دکھایا تو وہ اس کی طرف دوڑ پڑے اور خدا جس ابدی نفع کا وعدہ کر رہا تھا اس سے ان کو دلچسپی نہ ہو سکی۔ ان کے لئے خدا کے یہاں سخت عذاب کے سوا اور کچھ نہیں۔ آدمی خود جو کام نہ کرے اس کو وہ فیراہم بتاتا ہے۔ یہ اپنے معاملہ کو نظریاتی معاملہ بناتا ہے، یہ اپنے کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش ہے۔ مگر اس قسم کی کوئی بھی کوشش اللہ کے یہاں کسی کے کام آنے والی نہیں۔

پھر اس وقت کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور تم کو ان لوگوں کے اوپر گواہ بنا کر کھڑا کریں گے۔ وہ لوگ جنھوں نے انکار کیا اور پیغمبر کی نافرمانی کی اس روز تمنا کریں گے کہ کاش زمین ان پر برابر کر دی جاتی، اور وہ اللہ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے۔ اے ایمان والو، نزدیک نہ جاؤ نماز کے جس وقت کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو تم کہتے ہو، اور نہ اس وقت کہ غسل کی حاجت ہو مگر راہ چلتے ہوئے، یہاں تک کہ غسل کر لو۔ اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آئے یا تم عورتوں کے پاس گئے ہو پھر تم کو پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لو اور اپنے چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کر لو، بے شک اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے ۴۳ - ۴۱

حق کا داعی جب آتا ہے تو وہ ایک معمولی انسان کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس کے گرد ظاہری بڑائیاں اور رونقیں جمع نہیں ہوتیں۔ اس لئے وقت کے بڑے اس کو حقیر سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ان کو یقین نہیں آتا کہ ایک ایسا شخص بھی ان سے زیادہ حق و صداقت والا ہو سکتا ہے جو دنیوی شان و شوکت میں ان سے کم ہو۔ مگر جب قیامت آئے گی اور خدا کی عدالت قائم ہوگی تو وہ حیرت کے ساتھ دیکھیں گے کہ وہی شخص جس کو انھوں نے بے قیمت سمجھ کر ٹھکرا دیا تھا وہ آخرت کی عدالت میں خدائی گواہ بنا دیا گیا ہے۔ وہی وہ شخص ہے جس کے بیان پر لوگوں کے لئے جنت اور جہنم کے فیصلے ہوں۔ یہ وہاں مجرم کے مقام پر کھڑے ہوں گے اور وہ خدا کی طرف سے بولنے والے کے مقام پر۔ یہ ایسا سخت اور ہولناک لمحہ ہوگا کہ لوگ چاہیں گے کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس کے اندر سما جائیں۔ مگر ان کی یہ شرمندگی ان کے کام نہ آئے گی۔ خدا کے یہاں ان کے قول و عمل سے لے کر ان کی سوچ تک کا ریکارڈ موجود ہوگا اور خدا انھیں دکھا دے گا کہ حق کے داعی کا انکار جو انھوں نے کیا وہ ناواقفیت کے سبب سے نہ تھا بلکہ گھمنڈ کی وجہ سے تھا۔ انھوں نے اپنے کو بڑا سمجھا اور داعی حق کو چھوٹا جانا۔ حقیقت کو اس کی برہنہ صورت میں دیکھنے اور جاننے کے باوجود وہ محض اس لئے اس کے منکر ہو گئے کہ اس کو ماننے میں ان کی اپنی بڑائی ختم ہوتی ہوئی نظر آتی تھی۔

شریعت میں غیر معمولی حالات میں غیر معمولی رخصت دی گئی ہے۔ مرض یا سفر یا پانی کا نہ ہونا یہ تینوں آدمی کے لئے غیر معمولی حالتیں ہیں۔ اس لئے ان مواقع پر یہ رخصت دی گئی کہ اگر نقصان کا اندیشہ ہو تو وضو یا غسل کے بجائے تیمم کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ عام وضو پانی سے ہوتا ہے، تیمم گویا مٹی سے وضو کرنا ہے۔ وضو کا مقصد آدمی کے اندر پاکی کی نفسیات پیدا کرنا ہے اور تیمم، وضو نہ کر سکنے کی صورت میں، اس پاکی کی نفسیات کو باقی رکھنے کی ایک مادی تدبیر ہے۔

"نماز اس وقت پڑھو جب کہ تم جانو کہ تم کیا کہہ رہے ہو" —— یہاں یہ آیت شراب کا ابتدائی حکم بتانے کے لئے آئی ہے۔ مگر اسی کے ساتھ وہ نماز کے بارے میں ایک اہم حقیقت کو بھی بتا رہی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز ایک ایسی عبادت ہے جو فہم و شعور کے تحت ادا کی جاتی ہے۔ نماز محض اس کا نام نہیں ہے کہ کچھ الفاظ اور کچھ حرکات کو صحتِ ادا کے ساتھ دہرا دیا جائے۔ اسی کے ساتھ نماز میں آدمی کے ذہن کا حاضر رہنا بھی ضروری ہے۔ وہ نماز کو جان کر نماز پڑھے، اپنی زبان اور اپنے جسم سے وہ جس خدا کے سامنے جھکنے کا اظہار کر رہا ہے، اسی خدا کے سامنے اس کی سوچ اور اس کا ارادہ بھی جھک گیا ہو۔ اس کا جسم جس خدا کی عبادت کر رہا ہے، اس کا شعور بھی اسی خدا کا عبادت گزار بن جائے۔

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے حصہ ملا تھا۔ وہ گمراہی کو مول لے رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بھٹک جاؤ۔ اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے۔ اور اللہ کافی ہے حمایت کے لئے اور اللہ کافی ہے مدد کے لئے۔ یہود میں ایک گروہ بات کو اس کے ٹھکانے سے ہٹا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم نے سنا اور نہ مانا اور کہتے ہیں کہ سنو اور تمھیں سنوایا نہ جائے۔ وہ اپنی زبان کو موڑ کر کہتے ہیں راعنا، دین میں عیب لگانے کے لئے۔ اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سنا اور مانا، اور سنو اور ہم پر نظر کرو تو یہ ان کے حق میں زیادہ بہتر اور درست ہوتا۔ مگر اللہ نے ان کے انکار کے سبب سے ان پر لعنت کر دی ہے، پس وہ ایمان نہ لائیں گے مگر بہت کم۔ اے وہ لوگو جن کو کتاب دی گئی اس پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا ہے، تصدیق کرنے والی اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے، اس سے پہلے کہ ہم چہروں کو مٹا دیں پھر ان کو الٹ دیں پیٹھ کی طرف یا ان پر لعنت کریں جیسے ہم نے لعنت کی سبت والوں پر۔ اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہتا ہے۔ بے شک اللہ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ لیکن اس کے علاوہ جو کچھ ہے اس کو جس کے لئے چاہے گا بخش دے گا۔ اور جس نے اللہ کا شریک ٹھیرایا اس نے بڑا طوفان باندھا۔ کیا تم نے دیکھا ان کو جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں۔ بلکہ اللہ ہی پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔ دیکھو، یہ اللہ پر کیسا جھوٹ باندھ رہے ہیں اور صریح گناہ ہونے کے لئے یہی کافی ہے ۴۴ - ۵۰

اللہ کی کتاب کسی گروہ کو اس لئے دی جاتی ہے کہ وہ اس سے اپنی سوچ اور اپنے عمل کو درست کرے۔ مگر جب آسمانی کتاب کی حامل کوئی قوم زوال کا شکار ہوتی ہے، جیسا کہ یہود ہوئے، تو خدا کی کتاب سے وہ ہدایت کے بجائے گمراہی کی غذا لینے لگتی ہے۔ خدا کے احکام اس کے لئے خشک جزئیاتی بحثوں کا موضوع بن جاتے ہیں۔ اب اس کے یہاں اعتقادیات کے نام پر فلسفیانہ قسم کی موشگافیاں جنم لیتی ہیں۔ وہ اس کے لئے ایسی سرگرمیوں کی تعلیم دینے والی کتاب بن جاتی ہے جس کا آخرت کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہ ہو۔ ایسے لوگ اپنی روایتی نفسیات کی وجہ سے ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی ہر بات کو خدا کی بات ثابت کریں۔ وہ اپنے عمل کا دینی جواز فراہم کرنے کے لئے خدا کی کتاب کو بدل دیتے ہیں۔ خدا کے کلمات کو اس کے موقع و محل سے ہٹا کر وہ اس کی خود ساختہ تشریح کرتے ہیں۔ وہ الفاظ میں الٹ پھیر کر کے اس سے ایسا مفہوم نکالتے ہیں جس کا اصل کتاب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک بات کو سنتا ہے مگر وہ حقیقۃً نہیں سنتا۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کہ آدمی اس بات کو سمجھنے کے معاملہ میں سنجیدہ نہ ہو اور اس پر عمل کرنے سے اس کو کوئی دلچسپی نہ ہو۔ یہ مزاج جب اپنے آخری درجہ میں پہنچتا ہے تو آدمی کی ناسمجھی کا حال ایسا ہو جاتا ہے جیسے اس کے چہرے کے نشانات مٹا دئے گئے ہوں اور اب وہ چیزوں کو اس طرح دیکھ اور سن رہا ہو جیسے کوئی شخص سر کے پچھلے حصہ کی طرف سے چیزوں کو دیکھے اور سنے جہاں نہ دیکھنے کے لئے آنکھ ہے اور نہ سننے کے لئے کان۔ حق بات کو سمجھنے کے لئے آدمی کا اس طرح اندھا بہرا ہو جانا اس بات کی علامت ہے کہ حق کے ساتھ مسلسل بے پروائی کی بنا پر خدا نے اس کو ذہنی توفیق سے محروم کر دیا ہے۔ خدا نے اس کو کان دیا مگر اس نے نہیں سنا، خدا نے اس کو آنکھ دی مگر اس نے نہیں دیکھا تو اب خدا نے بھی اس کو ویسا ہی بنا دیا جیسا اس نے خود سے اپنے کو بنا رکھا تھا —— بے حسی جب اپنے آخری درجہ میں پہنچتی ہے تو وہ مسخ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں کتاب سے حصہ ملا تھا، وہ جبت اور طاغوت کو مانتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں سے زیادہ صحیح راستہ پر ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کرے تم اس کا کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔ کیا خدا کے اقتدار میں کچھ ان کا بھی دخل ہے۔ پھر تو یہ لوگوں کو ایک تل برابر بھی نہ دیں۔ کیا یہ لوگوں پر حسد کر رہے ہیں، اس بنا پر جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے۔ پس ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی ہے اور ہم نے ان کو ایک بڑی سلطنت بھی دے دی۔ ان میں سے کسی نے اس کو مانا اور کوئی اس سے رکا رہا اور ایسوں کے لئے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کافی ہے۔ بے شک جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کا انکار کیا ان کو ہم سخت آگ میں ڈالیں گے۔ جب ان کے جسم کی کھال جل جائے گی تو ہم ان کی کھال کو بدل کر دوسری کر دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں۔ بے شک اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان کو ہم باغوں میں داخل کریں گے جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، وہاں ان کے لئے ستھری بیویاں ہوں گی اور ان کو ہم گھنی چھاؤں میں رکھیں گے۔

۵۱ - ۵۷

آسمانی کتاب کی حامل کسی قوم پر جب زوال آتا ہے تو وہ عمل کے بجائے خوش عقیدگی کی سطح پر جینے لگتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے درمیان توہمات خوب پھیلتے ہیں۔ جو چیز حقیقی عمل کے ذریعہ ملتی ہے اس کو وہ تمنیات اور فرضی عقیدوں اور سفلی اعمال کے راستے سے پانے کی کوشش شروع کر دیتی ہے۔ ایسے لوگ دین کے معاملہ کو "پاک کلمات" اور "بابرکت نسبتوں" کا معاملہ سمجھ لیتے ہیں جس کے محض زبانی تلفظ یا رسمی تعلق سے معجزاتی واقعات ظاہر ہوتے ہوں۔ اسی کے ساتھ ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ زبان سے دین کا نام لیتے ہوئے اپنی عملی زندگی کو شیطان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ وہ حقیقی زندگی میں نفس کی خواہشات اور شیطان کی ترغیبات پر چل پڑتے ہیں مگر اسی کے ساتھ اپنے اوپر دین کا لیبل لگا کر سمجھتے ہیں کہ جو کچھ وہ کرنے لگیں وہی خدا کا دین ہے۔ ایسی حالت میں جب ان کے درمیان بے آمیز حق کی دعوت اٹھتی ہے تو وہ سب سے زیادہ اس کے مخالف ہو جاتے ہیں، کیوں کہ ان کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ ان کی دینی حیثیت کی نفی کر رہی ہے۔ کافروں کا وجود ان کے لئے اس قسم کا چیلنج نہیں ہوتا اس لئے کافروں کے معاملہ میں وہ نرم ہوتے ہیں مگر حق کے داعی کے لئے ان کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہیں ہوتا۔ ان کے اندر یہ حاسدانہ آگ بھڑک اٹھتی ہے کہ جب دین کے اجارہ دار ہم تھے تو دوسرے کسی شخص کو دین کی نمائندگی کا درجہ کیسے مل گیا۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ خدا آدمی کی قلبی استعداد کی بنیاد پر کسی کو اپنے دین کا نمائندہ چنتا ہے نہ کہ نمائشی چیزوں کی بنیاد پر۔

لعنت یہ ہے کہ آدمی اللہ کی رحمتوں اور نصرتوں سے بالکل دور کر دیا جائے۔ کھانا اور پانی بند ہونے سے جس طرح آدمی کی مادی زندگی ختم ہو جاتی ہے اسی طرح خدا کی نصرت سے محرومی کے بعد آدمی کی ایمانی زندگی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ لعنت زدہ آدمی لطیف احساسات کے اعتبار سے اس طرح ایک ختم شدہ انسان ہو جاتا ہے کہ اس کے اندر حق اور ناحق کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ کھلی کھلی نشانیاں سامنے آنے کے بعد بھی اس کو اعتراف کی توفیق نہیں ہوتی۔ وہ لامعنی شوشوں اور واقعی دلائل کے درمیان فرق نہیں کرتا۔

اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حق داروں کو پہنچا دو۔ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ اللہ اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو، بے شک اللہ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔ اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں اہل اختیار کی اطاعت کرو۔ پھر اگر تمھارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بات اچھی ہے اور اس کا انجام بہتر ہے۔ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے ہیں اس پر جو اتارا گیا ہے تمھاری طرف اور جو اتارا گیا ہے تم سے پہلے، وہ چاہتے ہیں کہ قضیہ لے جائیں شیطان کی طرف، حالاں کہ ان کو حکم ہو چکا ہے کہ اس کو نہ مانیں اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر بہت دور ڈال دے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کی طرف اور رسول کی طرف تو تم دیکھو گے کہ منافقین تم سے کترا جاتے ہیں۔ پھر اس وقت کیا ہوگا جب ان کے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی مصیبت ان پر پہنچے گی، اس وقت یہ تمھارے پاس قسمیں کھاتے ہوئے آئیں گے کہ خدا کی قسم ہم کو تو صرف بھلائی اور ملاپ سے غرض تھی۔ ان کے دلوں میں جو کچھ ہے اللہ اس سے خوب واقف ہے۔ پس تم ان سے اعراض کرو اور ان کو نصیحت کرو اور ان سے ایسی بات کہو جو ان کے دلوں میں اتر جائے　۶۳ — ۵۸

ہر ذمہ داری ایک امانت ہے اور اس کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح جب کسی سے معاملہ پڑے تو آدمی کو چاہئے کہ وہ کرے جو انصاف کا تقاضا ہو، خواہ معاملہ دوست کا ہو یا دشمن کا۔ اگر امانت داری اور انصاف کا طریقہ بظاہر اپنے فائدوں اور مصلحتوں کے خلاف نظر آئے تب بھی اس کو انصاف اور سچائی ہی کے طریقے پر قائم رہنا ہے۔ کیوں کہ بہتری اس میں ہے جو اللہ بتائے نہ کہ اس میں جو ہمارے نفس کو پسند ہو۔ اگر حکومتی نظام کے مواقع ہوں تو مسلمانوں کو چاہئے کہ باقاعدہ اسلامی حکومت کا قیام عمل میں لائیں۔ اور اگر حکومت کے مواقع نہ ہوں تو اپنے اندر کے قابل اعتماد افراد کو اپنا سربراہ بنالیں اور ان کی ہدایات لیتے ہوئے دینی زندگی گزاریں۔ جب کسی معاملہ میں اختلاف ہو تو ہر فریق پر لازم ہے کہ وہ اس بات کو مان لے جو اللہ اور رسول کی طرف سے آرہی ہو۔ ہر آدمی کو اختلاف رائے کی آزادی ہے مگر اجتماعی فیصلہ کو نہ ماننے کی آزادی کسی کو بھی حاصل نہیں۔ اجتماعی نظام مسلم معاشرہ کی اجتماعی ضرورت ہے۔

مدینہ کے ابتدائی زمانہ میں اختلافی معاملات میں فیصلہ لینے کے لئے بیک وقت دو عدالتیں پائی جاتی تھیں۔ ایک یہودی سرداروں کی جو پہلے سے چلی آرہی تھی۔ دوسری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو ہجرت کے بعد قائم ہوئی۔ مسلمانوں میں جو لوگ اپنے مفاد کی قربانی کی قیمت پر دیندار بننے کے لئے تیار نہ تھے وہ ایسا کرتے کہ جب ان کو اندیشہ ہوتا کہ ان کا مقدمہ کمزور ہے اور وہ رسول خدا کی عدالت سے اپنے موافق فیصلہ نہ لے سکیں گے تو وہ کعب بن اشرف یہودی کی عدالت میں چلے جاتے۔ یہ بات سراسر ایمان کے خلاف ہے۔ آدمی اگر اللہ کے فیصلہ پر راضی نہ ہو بلکہ اپنی پسند کا فیصلہ لینا چاہے تو اس کا ایمان کا دعویٰ جھوٹا ہے، خواہ وہ اپنے رویہ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لئے کتنے ہی خوبصورت الفاظ اپنے پاس رکھتا ہو۔ تاہم ایسے لوگوں سے نہ الجھتے ہوئے ان کو مؤثر انداز میں نصیحت کرنے کا کام پھر بھی جاری رہنا چاہئے۔

اور ہم نے جو رسول بھیجا اسی لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ اور اگر وہ جب کہ انھوں نے اپنا برا کیا تھا، تمھارے پاس آتے اور اللہ سے معافی چاہتے اور رسول بھی ان کے لئے معافی چاہتا تو یقیناً وہ اللہ کو بخشنے والا رحم کرنے والا پاتے۔ پس تیرے رب کی قسم وہ کبھی ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک وہ اپنے باہمی جھگڑے میں تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں۔ پھر جو فیصلہ تم کرو اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور اس کو خوشی سے قبول کر لیں۔ اور اگر ہم ان کو حکم دیتے کہ اپنے آپ کو ہلاک کرو یا اپنے گھروں سے نکلو تو ان میں سے تھوڑے ہی اس پر عمل کرتے۔ اور اگر یہ لوگ وہ کرتے جس کی انھیں نصیحت کی جاتی ہے تو ان کے لئے یہ بات بہتر اور ایمان پر ثابت رکھنے والی ہوتی۔ اور اس وقت ہم ان کو اپنے پاس سے بڑا اجر دیتے اور ان کو سیدھا راستہ دکھاتے۔ اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام کیا، یعنی پیغمبر اور صدیق اور شہید اور صالح۔ کیسی اچھی ہے ان کی رفاقت۔ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کا علم کافی ہے ٦٤ — ٧٠

رسول اس لئے نہیں آتا کہ لوگ بس اس کے عقیدت مند ہو جائیں اور اس کی بارگاہ میں الفاظ کے گلدستے پیش کرتے رہیں۔ رسول اس لئے آتا ہے کہ آدمی اس سے اپنی زندگی کا طریقہ معلوم کرے اور اس پر عملاً کاربند ہو۔ اس معاملہ میں آدمی کو اتنا زیادہ شدید ہونا چاہئے کہ نازک مواقع پر بھی وہ رسول کی اطاعت سے نہ ہٹے۔ جب دو آدمیوں کا مفاد ایک دوسرے سے ٹکرا جائے اور دو آدمیوں کے درمیان ایک دوسرے کے خلاف تلخی ابھر آئے اس وقت بھی آدمی کو اپنے نفس کو دبانا ہے اور بالارادہ اپنے کو رسول والے طریقہ کا پابند بنانا ہے۔ نزاع کے موقع پر جو شخص رسول کی رہنمائی کو قبول کرے وہی رسول کو ماننے والا ہے۔ حتی کہ رسول کا طریقہ اپنے ذوق اور اپنی مصلحت کے خلاف ہو تب بھی وہ دل کی رضامندی کے ساتھ اس کو قبول کرے۔ وہ اپنے احساس کو اتنا زندہ رکھے کہ اگر وقتی طور پر کبھی اس سے غلطی ہو جائے تو وہ جلدی چونک اٹھے۔ وہ جان لے کہ رسول کو چھوڑ کر وہ شیطان کے پیچھے چل پڑا تھا۔ وہ فوراً پلٹے اور معافی کا طالب ہو۔ جو شخص نفسیاتی جھٹکوں کے مواقع پر دین پر قائم نہ رہ سکے اس سے کیا امید کی جا سکتی ہے کہ وہ ان شدید تر مواقع پر ثابت قدم رہے گا جب کہ وطن کو چھوڑ کر اور جان و مال کی قربانی دے کر آدمی کو اپنے ایمان کا ثبوت دینا پڑتا ہے۔

نفس پرستی اور مصلحت پسندی کی زندگی اختیار کرنے کے نتیجہ میں آدمی جو سب سے بڑی چیز کھوتا ہے وہ صراط مستقیم ہے۔ یعنی وہ راستہ جس کو پکڑ کر آدمی چلتا رہے یہاں تک کہ اپنے رب تک پہنچ جائے۔ یہ راستہ خدا کی کتاب اور رسول کی سنت میں واضح طور پر موجود ہے۔ مگر آدمی جب اپنی سوچ کو تحفظات کا پابند کر لیتا ہے تو وضاحت کے باوجود وہ صراط مستقیم کو دیکھ نہیں پاتا۔ وہ دین کا مطالعہ اپنی خواہشوں اور مصلحتوں کے زیر اثر کرتا ہے نہ کہ اس کی بے آمیز صورت میں۔ اس کے ذہن میں اپنے حسب حال دین کا ایک خود ساختہ تصور قائم ہو جاتا ہے۔ وہ ایمان کا مدعی ہو کر بھی ایمان سے محروم رہتا ہے۔ ایسے لوگ اس جنت کے مستحق کیسے ہو سکتے ہیں جہاں وہ لوگ بسائے جائیں گے جنھوں نے ہر قسم کی مصلحتوں سے اوپر اٹھ کر دین کو اختیار کیا تھا۔ وہ لوگ جو خدا کے عہد کو پورا کرنے والے ہیں۔ جو حق کی گواہی آخری حد تک دینے والے ہیں اور جن کی زندگیاں حد درجہ پاکیزہ ہیں۔

اے ایمان والو اپنی احتیاط کرلو پھر نکلو جدا جدا یا اکٹھے ہو کر۔ اور تم میں کوئی ایسا بھی ہے جو دیر لگا دیتا ہے۔ پھر اگر تم کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ کہتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر انعام کیا کہ میں ان کے ساتھ نہ تھا۔ اور اگر تم کو اللہ کا کوئی فضل حاصل ہو تو کہتا ہے۔ گویا تمھارے اور اس کے درمیان کوئی رشتۂ محبت ہی نہیں — کہ کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کرتا۔ پس چاہئے کہ لڑیں اللہ کی راہ میں وہ لوگ جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو بیچ دیتے ہیں۔ اور جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے، پھر مارا جائے یا غالب ہو تو ہم اس کو بڑا اجر دیں گے۔ اور تم کو کیا ہوا کہ تم نہیں لڑتے اللہ کی راہ میں اور ان کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لئے جو کہتے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی حمایتی پیدا کر دے اور ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی مددگار کھڑا کر دے۔ جو لوگ ایمان والے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو منکر ہیں وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں۔ پس تم شیطان کے ساتھیوں سے لڑو۔ بے شک شیطان کی چال بہت کمزور ہے ۷۱ — ۷۶

موجودہ دنیا امتحان کی دنیا ہے، اس لئے یہاں ہر ایک کو عمل کی آزادی ہے۔ یہاں شریر لوگوں کو بھی موقع ہے کہ وہ خدا کے بندوں کو اپنے ظلم کا نشانہ بنائیں اور اسی کے ساتھ خدا کے نیک بندوں کو اپنے اقرار ایمان کا ثبوت اس طرح دینا ہے کہ وہ شریر لوگوں کی طرف سے ڈالی جانے والی مصیبتوں کے باوجود ثابت قدم رہیں۔ اہل ایمان کو خدا کے دشمنوں کے مقابلہ میں ہر وقت چوکنا رہنا ہے۔ پر امن تدبیروں اور جنگی تیاریوں سے ان کو پوری طرح اپنے بچاؤ کا انتظام کرنا ہے۔ ان کو متفرق طور پر بھی اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنا ہے اور مل کر بھی۔ اسی کے ساتھ خود مسلمانوں کی صف میں بھی ایسے لوگ ہوتے ہیں، جیسا کہ غزوۂ احد میں ظاہر ہوا، جو دنیا کے نقصان کا خطرہ مول لئے بغیر آخرت کا سودا کرنا چاہتے ہوں۔ ایسے لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ ان کاموں میں تو خوب حصہ لیتے ہیں جن میں دنیوی فائدہ کا کوئی پہلو ہو۔ مگر ایسا دینی کام جس میں دنیوی اعتبار سے نقصان کا اندیشہ ہو اس سے علیحدگی کے لئے خوبصورت عذر تلاش کر لیتے ہیں۔ ان کی یہ ذہنیت اس لئے ہے کہ اسلام قبول کرنے کے باوجود عملاً وہ اسی موجودہ دنیا کی سطح پر جی رہے ہیں۔ اگر ان کو یقین ہو کہ اصل اہمیت کی چیز آخرت ہے تو دنیا کی کامیابی و ناکامی ان کے لئے ناقابل لحاظ ہو جائے۔ اللہ کی راہ کا مجاہد حقیقۃً وہ ہے جو صرف آخرت کا طالب ہو، جو دنیا کے فائدوں اور مصلحتوں کو قربان کر کے اللہ کی راہ میں بڑھے۔ نہ کہ وہ جو ایسے جہاد کا غازی بننا پسند کریں جس میں کوئی زخم لگے بغیر بڑے بڑے کریڈٹ ملتے ہوں، جس میں الفاظ بول کر شہرت و عزت کا مقام حاصل ہوتا ہو

خدا کی راہ کی لڑائی وہ ہے جو اس بندۂ خدا کو پیش آئے جو صرف خدا کے لئے اٹھا ہو۔ وہ لوگوں کو جہنم سے ڈرائے اور لوگوں کو جنت کی طرف بلائے۔ کسی سے وہ مادی یا سیاسی جھگڑا نہ چھیڑے۔ پھر بھی شریر لوگ اس سے لڑنے کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ اور شیطان کی راہ میں لڑنے والے وہ لوگ ہیں جو کسی بندۂ خدا سے اس بنا پر لڑ پڑیں کہ اس کی باتوں سے ان کی انانیت پر ضرب پڑتی ہے۔ اس کے پیغام کے پھیلاؤ میں ان کو اپنا معاشی یا سیاسی خطرہ دکھائی دیتا ہے۔ اس کے دلائل کو توڑنے کے لئے وہ جارحیت کے سوا اور کوئی دلیل اپنے پاس نہیں پاتے۔

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ پھر جب ان کو لڑائی کا حکم دیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ انسانوں سے ایسا ڈرنے لگا جیسے اللہ سے ڈرنا چاہئے یا اس سے بھی زیادہ۔ وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب، تو نے ہم پر لڑائی کیوں فرض کر دی۔ کیوں نہ چھوڑے رکھا ہم کو تھوڑی مدت تک۔ کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے اس کے لئے جو پرہیز گاری کرے، اور تمھارے ساتھ ذرا بھی ظلم نہ ہوگا۔ اور تم جہاں بھی ہوگے موت تم کو پالے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔ اگر ان کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اور اگر ان کو کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تمھارے سبب سے ہے۔ کہہ دو کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے۔ ان لوگوں کا کیا حال ہے کہ لگتا ہے کہ کوئی بات ہی نہیں سمجھتے۔ تم کو جو بھلائی بھی پہنچتی ہے خدا کی طرف سے پہنچتی ہے اور تم کو جو برائی پہنچتی ہے وہ تمھارے اپنے ہی سبب سے ہے۔ اور ہم نے تم کو انسانوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی گواہی کافی ہے ۷۷ — ۷۹

ہجرت سے پہلے مکہ میں اسلام کے مخالفین مسلمانوں کو بہت ستاتے تھے۔ مارنا پیٹنا، ان کی معاشیات کو تباہ کرنا، ان کو مسجد حرام میں عبادت سے روکنا، ان کو تبلیغ کی اجازت نہ دینا، ان کو گھر بار چھوڑنے پر مجبور کرنا، سب انھوں نے مسلمانوں کے لئے جائز کر لیا تھا۔ جو شخص اسلام قبول کرتا اس پر وہ ہر قسم کا دباؤ ڈالتے تاکہ وہ اسلام کو چھوڑ کر اپنے آبائی مذہب کی طرف لوٹ جائے۔ مخالفین اسلام کی اس جارحیت نے مسلمانوں کے لئے اصولاً جائز کر دیا تھا کہ وہ ان کے خلاف تلوار اٹھائیں۔ چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار جنگ کی اجازت مانگتے۔ مگر آپ ہمیشہ یہ کہتے کہ مجھ کو جنگ کا حکم نہیں دیا گیا، تم صبر کرو اور نماز اور زکاۃ کی ادائگی کرتے رہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قبل از وقت کوئی اقدام کرنا اسلام کا طریقہ نہیں۔ مکہ میں مسلمانوں کی اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ اپنے دشمنوں کے خلاف فیصلہ کن اقدام کر سکتے۔ اس وقت مکہ والوں کے مقابلہ میں تلوار اٹھانا اپنی مصیبتوں کو اور بڑھانے کے ہم معنی تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ طاقت ور دشمن جو ابھی تک صرف انفرادی ظلم کر رہا ہے اس کو اپنی طرف سے مکمل جنگی کارروائی کرنے کا جواز فراہم کر دیا جائے۔ عملی اقدام ہمیشہ اس وقت کیا جاتا ہے جب کہ اس کے لئے ضروری تیاری کرلی گئی ہو۔ اس سے پہلے اہل ایمان سے صرف انفرادی احکام کا تقاضا کیا جاتا ہے جو ہر حال میں آدمی کے لئے ضروری ہیں یعنی اللہ سے تعلق جوڑنا۔ بندوں کے حقوق ادا کرنا اور دین کی راہ میں جو مشکلیں پیش آئیں ان کو برداشت کرنا۔

قرآن میں قربانی کے احکام آئے تو مصلحت پرست لوگوں کو اپنی زندگی کا نقشہ بکھرتا ہوا نظر آیا۔ وہ اپنی کمزوری کو چھپانے کے لئے طرح طرح کی باتیں کرنے لگے۔ احد میں شکست ہوئی تو اس کو وہ رسول کی بے تدبیری کا نتیجہ بتا کر رسول کی رہنمائی کے بارے میں لوگوں کو بدظن کرنے لگے۔ فائدہ والی باتوں کو اللہ کا فضل بتا کر وہ اپنی اسلامیت کا مظاہرہ کرتے اور عملی اسلام سے گریز کے لئے رسول کو غلط ثابت کرتے ——— خدا کو ماننا آدمی کے لئے ممکن رہتا ہے کہ وہ اپنے نفس پر چلتا رہے۔ مگر خدا کے داعی کو ماننے کے بعد اس کا ساتھ دینا بھی ضروری ہو جاتا ہے جو آدمی کے لئے مشکل ترین کام ہے۔

اسلامی سماج کیسا ہوتا ہے

سماج کیا ہے۔ بہت سے آدمیوں کا مل جل کر رہنا۔ جب بہت سے آدمی مل کر ایک ساتھ رہیں تو ان کے درمیان طرح طرح کے تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ کوئی کسی کا رشتہ دار ہوتا ہے کوئی کسی کا پڑوسی۔ کوئی کسی کا ہم قوم ہوتا ہے کوئی کسی کا ہم وطن۔ کوئی تاجر ہوتا ہے اور کوئی گاہک۔ کوئی مالک مکان ہوتا ہے اور کوئی کرایہ دار۔ اس طرح کے مختلف تعلقات کی بنا پر لوگوں کے درمیان بار بار معاملات پیش آتے ہیں۔ ان معاملات کے دوران کبھی کسی سے نفرت کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں اور کسی سے محبت کے۔ کسی سے کچھ لینا ہوتا ہے اور کسی کو کچھ دینا۔ کسی سے اختلاف ہوتا ہے اور کسی سے اتفاق۔ کوئی اپنا بن جاتا ہے اور کوئی غیر دکھائی دیتا ہے یہی چیز ہے جو لوگوں کے درمیان سماجی تعلقات پیدا کرتی ہے اور یہ سوال سامنے آتا ہے کہ کیا کیا جائے اور کیا نہ کیا جائے۔ بہت سے پتھر ایک ساتھ پڑے ہوں تو ان میں باہمی تعلقات قائم نہیں ہوتے، اس لئے ان کے درمیان مذکورہ قسم کے مسائل بھی پیدا نہیں ہوتے مگر جب بہت سے انسان ایک ساتھ مل کر رہیں تو ان میں باہمی تعلقات قائم ہوتے ہیں اور اس بنا پر ان کے درمیان طرح طرح کے مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے مواقع پر اسلام کی تعلیم کیا ہے۔ مسلمان جب ایک سماج کی صورت میں مل کر رہیں تو وہ آپس میں کس طرح رہیں اور معاملات میں ایک دوسرے کے ساتھ کس قسم کا سلوک کریں۔ اس کی وضاحت کے لئے چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں۔

عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ (متفق علیہ)

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا یہ حال نہ ہو جائے کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ (مسلم)

ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی تین چیزیں حرام ہیں۔ اس کا خون، اس کا مال اور اس کی آبرو

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ (متفق علیہ)

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں

عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مثل المومنین فی توادہم وتراحمہم وتعاطفہم مثل الجسد اذا اشتکی منہ عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسہر والحمی (متفق علیہ)

مسلمانوں کی مثال آپس کی محبت اور آپس کی رحم دلی اور آپس کی مہربانی کے معاملہ میں ایسی ہے جیسے ایک جسم۔ جب جسم کے کسی عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرتا اور نہ اس کو بے یار و مددگار چھوڑتا۔ جو شخص اپنے بھائی کی

يُسْلِمُه، من كان في حاجة اخيه كان الله في حاجته ومن فرّج عن مسلم كُربةً فرّج الله عنه بها كُربةً من كُرب يوم القيامة ومن ستر مسلماً ستره الله يوم القيامة (متفق عليه)

حاجت پوری کرے گا تو اللہ اس کی حاجت پوری کرے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف دور کرے گا تو اللہ قیامت کے دن اس کی تکلیف دور کرے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کو ڈھانکے گا تو اللہ قیامت کے دن اس کو ڈھانکے گا۔

عن عياض بن حمار رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: ان الله تعالى اوحى الي ان تواضعوا حتى لا يبغى احد على احد ولا يفخر احدٌ على احد (مسلم)

اللہ نے میری طرف وحی کی ہے کہ تم لوگ تواضع اختیار کرو۔ کوئی شخص کسی کے اوپر زیادتی نہ کرے۔ کوئی شخص کسی کے اوپر فخر نہ کرے۔

عن ابی موسیٰ رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: المومنُ للمومن كالبنيان يَشُدُّ بعضُهُ بعضاً وشبّك بين اصابعه (متفق عليه)

ایک مومن کی مثال دوسرے مومن کے لئے ایسی ہے جیسے عمارت۔ عمارت کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط کرتی ہے اسی طرح سب مسلمان باہم جڑے ہوئے ہوتے ہیں۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی روشنی میں اسلامی سماج کی جو تصویر بنتی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان دوسرے مسلمانوں کے درمیان اس طرح رہتا ہے کہ وہ ان کو غیر نہیں سمجھتا بلکہ اپنا ہی ایک حصہ سمجھتا ہے۔ دوسروں کے کسی رویہ سے جب اس کو خوشی محسوس ہوتی ہے تو وہ جان لیتا ہے کہ دوسرے کس بات سے خوش ہوں گے۔ اس لئے وہ خود بھی دوسروں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرنے لگتا ہے۔ اسی طرح جب کسی ایک کا رویہ اس کے لئے تکلیف کا باعث ہوتا ہے تو اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ دوسرے کس چیز سے تکلیف محسوس کریں گے اور وہ اس کا سخت اہتمام کرتا ہے کہ دوسروں کو اس کی ذات سے اس قسم کے سلوک کا تجربہ نہ ہونے پائے۔ حتیٰ کہ ایک مسلم آبادی ایک واحد جسم کی مانند ہو جاتی ہے۔ جسم کے ایک حصہ میں تکلیف ہو تو ناممکن ہے کہ بقیہ جسم اس کے لئے تڑپ نہ اٹھے۔ اسی طرح ایک مسلمان کی تکلیف سارے مسلمانوں کی تکلیف بن جاتی ہے اور لوگوں کو اس وقت تک چین نہیں آتا جب تک وہ اپنے بھائی کی تکلیف دور نہ کر دیں۔ مسلمان کا سماج ایک ایسا سماج ہے کہ جب بھی ایک شخص کا دوسرے سے واسطہ پڑتا ہے تو وہ اس کے اندر محبت اور رحم دلی اور مہربانی پاتا ہے۔ ہر ایک دوسرے کی حاجت برآری کے لئے اس طرح تیار رہتا ہے جیسے کہ وہ اس کا اپنا مسئلہ ہو۔ کوئی دوسرے مسلمان کو ننگا یا بے گھر دیکھتا ہے تو اس کو محسوس ہوتا ہے جیسے وہ خود ننگا اور بے گھر ہو گیا ہو۔ کسی کو برداشت نہیں ہوتا کہ وہ دوسرے بھائی کو بے سہارا چھوڑ دے۔ ایک کو دوسرے سے ظلم اور گھمنڈ کے بجائے تواضع اور انصاف ملتا ہے۔ کوئی کسی کے اوپر فخر نہیں کرتا، کوئی کسی کے اوپر حسد نہیں کرتا۔ بلکہ ہر ایک دوسرے کا خیر خواہ ہوتا ہے، ہر ایک دوسرے کا ساتھی بن جاتا ہے۔ مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح رہتے ہیں کہ ان کے لئے ناقابل تصور ہوتا ہے کہ وہ اپنے بھائی کے خون کو اپنے لئے جائز کر لیں خواہ اس سے کتنی ہی زیادہ تکلیف ان کو پہنچی ہو۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا مال لے لینے سے اسی طرح بچتا ہے جیسے کوئی شخص آگ کو ہاتھ میں لینے سے بچتا ہے۔ ایک مسلمان کے لئے دوسرے مسلمان کی آبرو پر حملہ کرنا اسی طرح ناممکن ہو جاتا ہے جیسے اپنے آپ کو بر سر بازار ننگا کرنا۔

اسلامی سماج میں اس قسم کی فضا کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک حد درجہ متحد سماج بن جاتا ہے جس سماج میں ہر ایک

دوسرے کے ساتھ انصاف کرے، ہر ایک دوسرے کا خیر خواہ ہو۔ اس سماج میں اتحاد کے سوا اور کیا چیز جگہ پائے گی۔ ایک مسلم آبادی اپنے تمام افراد کے ساتھ گویا ایک بہت بڑی عمارت ہوتی ہے۔ اس کا ہر فرد اس عظیم عمارت کی ایک اینٹ ہوتا ہے۔ ہر اینٹ دوسری اینٹ سے جڑی ہوتی ہے۔ ہر اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط کر رہی ہوتی ہے۔ ایک اینٹ اور دوسری اینٹ کے درمیان جو تعلق ہوتا ہے وہ دوری اور ٹکراؤ کا نہیں ہوتا بلکہ جوڑ اور یکسوئی کا ہوتا ہے۔ ہر اینٹ اگرچہ ایک دوسرے سے الگ ہوتی ہے مگر الگ ہونے کے باوجود وہ سماجی اعتبار سے پوری عمارت کا ایک اٹوٹ حصہ ہوتی ہے۔ اس سے عمارت کو طاقت ملتی ہے نہ کہ کمزوری۔ وہ اپنے اوپر عمارت کو تھامے ہوئے ہوتی ہے نہ کہ خود عمارت کو اپنے اوپر کھڑا کرنے کی کوشش کرے۔ ایک مومن جس خدا کا طالب ہوتا ہے دوسرا مومن بھی اسی خدا کا طالب ہوتا ہے۔ ایک مومن کی منزل مقصود جس طرح آخرت ہوتی ہے دوسرے مومن کی منزل مقصود بھی اسی طرح آخرت ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں کیوں کر ممکن ہے کہ وہ ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔ مزید یہ کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ دنیا بھلائی اور برائی کی کش مکش کی جگہ ہے۔ یہاں شیطان کے ساتھی اپنے عمل کے لئے آزاد ہیں۔ جو شخص بھی بھلائی کے راستہ پر چلنا چاہے اس کو برائی کی طاقتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنا راستہ بنانا ہوگا۔ اس لئے ضروری ہے کہ سب مسلمان مل کر رہیں۔ باہم ملنے سے ان کی طاقت بہت بڑھ جائے گی اور وہ زیادہ کامیابی کے ساتھ برائی کی طاقتوں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے رب کی طرف بڑھ سکیں گے۔

اس قسم کا اسلامی سماج کس طرح بنتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ خوف خدا کے ذریعہ۔ دنیا کی تمام بھلائیوں کا راز یہ ہے کہ آدمی اللہ سے ڈرے۔ اور دنیا کی تمام برائیوں کی جڑ یہ ہے کہ آدمی کا سینہ اللہ کے ڈر سے خالی ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہی شخص دوسروں کے ساتھ سب سے بہتر سلوک کر سکتا ہے جو دوسروں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتا ہو۔ حضرت عمر تابعی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن اصحاب سے میں ملا ان کو میں نے یہ کہتے ہوئے پایا کہ لوگوں میں تمہارا سب سے زیادہ خیر خواہ وہ ہے جو تمہارے معاملہ میں اللہ سے ڈرتا ہو (انصح الناس لك من خاف اللہ فيك، جامع العلوم والحكم ۷۱) یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ کی پکڑ کے اندیشہ کے سوا کوئی چیز آدمی کو روک نہیں سکتی۔ جب آدمی پر ایک حیوانی جذبہ کا غلبہ ہوتا ہے، جب کسی معاملہ میں اس کا کوئی مفاد وابستہ ہو جاتا ہے، جب کوئی چیز اس کے لئے عزت و وقار کا مسئلہ بن جاتی ہے تو اس وقت انسان وہ سب کچھ کر ڈالنا چاہتا ہے جو اس کے بس میں ہے۔ ایسے موقع پر صرف ایک ہی چیز ہے جو آدمی کو قابو میں رکھے اور اس کو انصاف کے راستہ سے ہٹنے نہ دے۔ اور وہ یہ احساس کہ ہر آدمی کا معاملہ اللہ کے یہاں پیش ہونا ہے اور ہر ایک کو اس کے کئے کا پورا بدلہ ملنا ضروری ہے۔ دنیا میں اگر کوئی شخص اپنے کو بچا بھی لے تو آخرت میں وہ اپنے آپ کو خدا کی پکڑ سے نہیں بچا سکتا۔

مسلمانوں کا سماج خیر خواہی اور انصاف کا سماج ہوتا ہے۔ اس لئے کہ ان میں سے ہر شخص اللہ سے ڈرنے والا ہوتا ہے ایک مسلمان کا معاملہ جب دوسرے مسلمان سے پیش آتا ہے تو اس کو وہ محض ایک انسانی معاملہ نہیں سمجھتا بلکہ ایک خدائی معاملہ سمجھتا ہے۔ اس کا ذہن یہ ہوتا ہے کہ میں ایک انسان سے نہیں بلکہ خدا سے معاملہ کر رہا ہوں جو تمام طاقتوں کا مالک ہے۔ ہر آدمی کے پیچھے اس کو خدا کھڑا ہوا نظر آتا ہے۔ ہر معاملہ اس کو ایک ایسا معاملہ دکھائی دیتا ہے جو آخرت کی عدالت میں پیش ہوگا اور تمام کھلے اور چھپے کا جاننے والا مالک اس کے بارہ میں بے لاگ فیصلہ فرمائے گا۔ مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ اس کو لازماً مرنا ہے اور مرنے کے بعد اللہ کے یہاں حساب کتاب کے لئے حاضر ہونا ہے۔ وہ اللہ سے اس بات کی دعائیں کر رہا ہوتا ہے کہ آخرت کی پیشی کے دن وہ اس کے ساتھ

نرمی کا معاملہ فرمائے۔ اس کی یہ نفسیات اس کو دوسرے انسانوں کے معاملہ میں نرم کر دیتی ہے۔ وہ اپنے ساتھ دوسروں کی زیادتیوں کو معاف کر دیتا ہے تاکہ اس کا خدا قیامت کے دن اس کی زیادتیوں کو معاف کر دے۔ وہ خدا کے بندوں کے ساتھ فیاضی کا معاملہ کرتا ہے تاکہ خدا بھی اس کے ساتھ فیاضی کا معاملہ کرے۔ بندوں کی طرف سے اس کو جتنا ملتا ہے اس سے زیادہ وہ ان کو لوٹاتا ہے تاکہ خدا اس کے حقیر عمل کے بدلے اپنے بڑے بڑے انعامات اس کے حصہ میں لکھ دے۔

اسلامی سماج میں آدمی اپنے حقوق سے زیادہ اپنی ذمہ داریوں کو دیکھتا ہے اور اختلاف و شکایت کے مواقع پر خود اپنے کو قصوروار مان لیتا ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ایک شخص کا قرض تھا۔ وہ آیا اور آپ سے بہت بھدے انداز میں تقاضا کرنے لگا۔ آپ کے اصحاب جو اس وقت آپ کے ساتھ تھے، اس کی سخت باتوں کو سن کر بگڑ گئے اور اس کو مارنا چاہا۔ آپ نے منع فرمایا۔ آپ نے اس کے قصور کو اپنے آپ پر لیتے ہوئے فرمایا: اس کو چھوڑ دو۔ کیونکہ ایک حق دار کو کہنے سننے کا حق ہے (دَعُوہ فانّ لصاحب الحقّ مقالاً، متفق علیہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی ذات سے نمونہ قائم کر کے حق دار کو کہنے سننے کا موقع دیا اور اس طرح ہر قسم کے سماجی فساد کی جڑ کاٹ دی۔

اسلامی سماج میں یہ مزاج ہوتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ حد درجہ رعایت کی جائے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک اعرابی آیا اور مدینہ کی مسجد نبوی میں پیشاب کرنے لگا۔ لوگ اس کو پکڑنے اور مارنے کے لئے دوڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو آپ نے لوگوں کو منع فرمایا اور اس کو پیشاب کرنے سے نہ اٹھایا۔ آپ نے کہا: اس اعرابی کو چھوڑ دو اور اس نے جہاں پیشاب کیا ہے وہاں ایک ڈول پانی کا ڈال دو۔ کیوں کہ تم آسانی پیدا کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو، تم مشکل پیدا کرنے کے لئے نہیں بھیجے گئے (بخاری) عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نرم ہے اور سارے معاملات میں نرمی کو پسند کرتا ہے (ان اللہ رفیق یحب الرفق فی الامر کلہ، متفق علیہ) یہ نرمی اور رعایت اسلامی سماج کی اہم ترین خصوصیت ہے۔ اسلامی سماج ایک با اصول سماج ہے مگر اسی کے ساتھ وہ حد درجہ نرمی اور رعایت کا سماج ہے۔ مومن وہ ہے جو اپنے لئے شدت اور دوسرے کے لئے رعایت کو پسند کرے۔

اسلامی سماج میں کم بولنے اور زیادہ عمل کرنے کا ماحول ہوتا ہے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مسلمان کا انتقال ہوا۔ وہ ایک جہاد میں لڑ کر مرا تھا۔ ایک شخص نے کہا: اس کو جنت کی خوش خبری ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا: تم کو کیا معلوم شاید وہ شخص بے فائدہ باتیں کرتا رہا ہو اور ایسے خرچ میں بخل کرتا رہا ہو جس میں اس کا نقصان نہ تھا (لعلہ تکلم بمالا یعنیہ او بخل بمالا یغنیہ، ترمذی) اسی طرح ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا — اللہ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا وہ تمہارے عمل کو دیکھتا ہے (ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولکن ینظر الی اعمالکم) اسلامی سماج بے حد سنجیدہ سماج ہوتا ہے۔ اس لئے وہاں کوئی شخص غیر ضروری کلام نہیں کرتا۔ ہر شخص کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ضروری کاموں میں مشغول رکھے۔

اسلامی سماج میں اپنی محنت پر بھروسہ کرنے کا ماحول ہوتا ہے۔ آدمی مانگ کر حاصل کرنے کے بجائے کر کے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ آدمی یہ نہیں سوچتا کہ جو کچھ دوسروں کے پاس ہے وہ میں چھین کر یا مطالبہ کر کے حاصل کر لوں بلکہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ نے مجھ

کو ہاتھ پاؤں اور دل و دماغ کی جو صلاحیت دی ہے اس کو بروئے کار لاکر اپنی زندگی اپنے آپ بناؤں۔ ابو عبدالرحمن عوف بن مالک اشجعی رضی کہتے ہیں۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے، اور ہم تقریباً نو آدمی تھے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم رسول خدا سے بیعت نہیں کرتے۔ چوں کہ ہم جلد ہی بیعت کر چکے تھے، ہم نے کہا اے خدا کے رسول ہم بیعت کر چکے ہیں۔ آپ نے دوبارہ فرمایا: کیا تم رسول خدا سے بیعت نہیں کرتے۔ ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دئے اور کہا: اے خدا کے رسول ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں۔ پھر ہم کس چیز پر بیعت کریں۔ آپ نے فرمایا: یہ کہ تم اللہ کی عبادت کروگے اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کروگے۔ اور پانچ وقت کی نماز اور اطاعت۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: ولا تسألوا الناس شیئا (اور تم لوگوں سے کوئی چیز نہ مانگوگے) راوی کہتے ہیں کہ ان میں سے بعض کو میں نے دیکھا کہ وہ گھوڑے پر سوار ہے اور اس کا کوڑا گر گیا ہے تو وہ کسی سے مانگتا نہیں، بلکہ اتر کر خود کوڑے کو اٹھاتا ہے (مسلم) اس کا مطلب ہے کہ اسلامی سماج میں مانگنے اور مطالبہ کرنے کا ماحول نہیں ہوتا۔ ہر شخص اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتا ہے اور اپنی ذاتی محنت پر بھروسہ کرتا ہے۔

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا سب سے افضل اعمال ہیں۔ ایک شخص اٹھا اور اس نے کہا: اے خدا کے رسول کیا اگر میں اللہ کے راستہ میں مارا جاؤں تو میری خطائیں بخش دی جائیں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ہاں، اگر تم اللہ کے راستہ میں مارے جاؤ، اس حال میں کہ تم صبر کرنے والے اور خالص اللہ کے لئے لڑنے والے ہو۔ آگے بڑھنے والے ہو پیچھے ہٹنے والے نہیں ہو تو تم بخش دئے جاؤگے۔ کچھ دیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ پوچھا: تم نے کس طرح کہا تھا۔ اس نے اپنے سوال کو دہرایا۔ آپ نے دوبارہ اپنے جواب کو دہراتے ہوئے کہا: ہاں، اگر تم اللہ کے راستہ میں مارے جاؤ، اس حال میں کہ تم صبر کرنے والے اور خالص اللہ کے لئے لڑنے والے ہو، آگے بڑھنے والے ہو پیچھے ہٹنے والے نہیں ہو تو تم بخش دئے جاؤگے۔ لیکن اگر تمہارے اوپر قرض ہے تو اس کی بخشش نہ ہوگی۔ کیوں کہ ابھی جبریل نے مجھ کو بتایا ہے (الا الدین فان جبریل قال لی ذالک، مسلم) اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی سماج میں ہر آدمی بے حد محتاط ہوتا ہے کہ اس کے ذمہ کسی کا قرض یا حقوق باقی نہ رہ جائیں۔ ایک مسلمان کا ذہن یہ ہوتا ہے کہ دین کی راہ میں خواہ میں کتنی ہی بڑی قربانی کردوں مگر اللہ کی نظر میں میری قیمت اسی وقت ہوگی جب کہ میں اللہ سے اس طرح ملوں کہ میں نے کسی کا حق نہ دبایا ہو، میرے ذمہ لوگوں کے مطالبات نہ ہوں۔ اگر میرے ذمہ کسی انسان کا حق ہے اور میں اس کو ادا نہیں کرتا تو دین کی راہ میں میرا جان دے دینا بھی مجھ کو آخرت میں نجات نہ دے سکے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو صدقہ کرو۔ ایک شخص نے پوچھا: اے خدا کے رسول اگر آدمی کے پاس مال نہ ہو۔ آپ نے فرمایا کہ پھر وہ لوگوں سے بھلی بات کہے۔ کیوں کہ وہ بھی صدقہ ہے۔ آدمی نے دوبارہ پوچھا: اے خدا کے رسول اگر اس کے پاس بھلی بات بھی نہ ہو۔ آپ نے فرمایا: پھر وہ دوسروں کو اپنے شر سے بچائے (یدع الناس من شرہ) اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی سماج میں سب سے بہتر آدمی وہ ہے جو لوگوں کے لئے سب سے زیادہ نفع بخش ہو۔ اللہ نے اس کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے وہ دوسروں کو دیتا رہے۔ اس کے قول اور عمل سے دوسروں کو فائدہ پہنچے۔ اس کے بعد کم سے کم درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ذات سے کسی کو نقصان نہ پہنچنے دے۔ اگر وہ دوسروں کو کچھ نہ دے سکے تو وہ دوسروں کو محروم بھی نہ کرے۔ اگر وہ دوسروں کے کام نہ آئے تو دوسروں کے

کام بگاڑنے کی کوشش بھی نہ کرے ۔ اگر دوسروں کے لئے اس کے پاس میٹھے بول نہ ہوں تو وہ ان کو کڑوا بول بھی نہ دے ۔

امام مالک نے موطا میں روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا: مجھے ایسی بات بتائیے جس کے ساتھ میں جیوں (یا رسول اللہ علمنی کلمات اعیش بھن) آپ نے فرمایا غصہ نہ کر (لا تغضب) اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی سماج مثبت نفسیات رکھنے والوں کا سماج ہے ۔ اس کے افراد ہر قسم کی منفی نفسیات سے پاک ہوتے ہیں ۔ غصہ ہر قسم کی منفی نفسیات کی جڑ ہے ۔ "غصہ نہ کر" کا مطلب یہ ہے کہ منفی نفسیات میں نہ جیو بلکہ مثبت نفسیات میں جیو ۔ دوسروں کی طرف سے اشتعال انگیزی ہو یا دوسروں سے تم کو تکلیف پہنچے تو اس کا جواب تم غصہ، نفرت، انتقام، حسد اور حقارت جیسے جذبات سے نہ دو بلکہ محبت، انصاف، خیر خواہی اور عفو و درگزر کا طریقہ اختیار کرو ۔ جب بھی کوئی معاملہ پیش آئے تو ٹھنڈے دل سے سوچو اور صرف وہ کرو جو اللہ کی رضا کے اعتبار سے سب سے بہتر ہو نہ کہ وہ جس سے تمہارے بھڑکتے ہوئے جذبات کو تسکین مل رہی ہو ۔ کسی کے خلاف تمہاری کارروائی جوابی کارروائی نہ ہو بلکہ اللہ کی جواب دہی کو سامنے رکھتے ہوئے ایک سوچی سمجھی کارروائی ہو ۔ تمہاری غذا غصہ اور نفرت اور انتقام نہ ہو بلکہ برداشت کرنا اور معاف کر دینا ہو ۔ تم غصہ نہ کرنے میں جیو، نفرت نہ کرنے میں جیو، انتقام نہ لینے میں جیو، حسد نہ کرنے میں جیو ۔

اسلامی معاشرہ میں جب ایک شخص دوسروں سے انصاف کرتا ہے اور ان کے حقوق ادا کرتا ہے تو یہ اس کے لئے عام معنوں میں محض ایک اخلاقی یا انسانی معاملہ نہیں ہوتا ۔ یہ اس کے لئے ایسا مسئلہ ہوتا ہے جس پر آخرت میں اس کی نجات کا انحصار ہو ۔ جو شخص بندوں کے ساتھ بہتر سلوک کرے وہی آخرت میں اس قابل ٹھہرے گا کہ خدا اس کے ساتھ بہتر سلوک کرے ۔ اور جو شخص دوسرے انسانوں کے ساتھ بہتر سلوک نہ کرے اس کے لئے آخرت میں خدا کی رحمتوں میں کوئی حصہ نہیں ۔ یہی دنیا کی زندگی میں آدمی کا امتحان ہے اور یہ امتحان خاص طور پر کمزور اور بے سہارا انسانوں کے بارے میں لیا جاتا ہے کیوں کہ ایسے افراد کے ساتھ بہتر سلوک کے لئے خدا کی رضا کے سوا اور کوئی محرک نہیں ہوتا ۔ آدمی جب طاقتور کے ساتھ بہتر سلوک کرے تو اس میں یہ امید شامل رہتی ہے کہ دوسرے شخص کی طرف سے کسی نہ کسی صورت میں اس کا بدلہ ملے گا ۔ اسی طرح جب کسی عوامی موقع پر آدمی انسانیت دوستی کا ثبوت دیتا ہے تو اس میں بھی یہ امید ہوتی ہے کہ اس سے آدمی کی شہرت و عزت میں اضافہ ہوگا ۔ مگر جب ایک تنہا اور بے زور آدمی اس کے سامنے ہو اور اس سے مدد کی درخواست کرے تو وہاں اس قسم کی کوئی کشش موجود نہیں ہوتی ۔ اور اگر یہ بے زور شخص ایک ایسا شخص ہو جس سے آدمی کو تکلیف اور شکایت پہنچی ہے تو ایسے موقع پر یہ عدم جاذبیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے ۔ اس وقت جو آدمی بے غرض ہو کر اور شکایات سے اوپر اٹھ کر اس کی مدد کرتا ہے تو وہ خالص خدا کے لئے ایسا کر رہا ہے، کیونکہ خدا کی رضا کے سوا کوئی دوسری کھینچنے والی چیز وہاں موجود نہیں ۔ جہاں ہر قسم کی دوسری کشش ختم ہو جائے وہاں خدا کی کشش موجود ہوتی ہے ۔ اور جو شخص خالص خدا کے لئے دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کرے وہ خدا کا محبوب ترین بندہ ہوتا ہے ۔ وہ عین اس مقام پر خدا کو پا لیتا ہے جہاں اس نے خالص خدا کی خاطر کسی بندے کا آنسو پونچھا تھا ۔

خلاصہ تقریر بمقام بیج (مدھیہ پردیش) ۲۹ جنوری ۱۹۸۰

جہاں دلیل کام نہیں کرتی

ایک سوامی جی تھے۔ انھوں نے دو مضامین میں ایم اے کیا تھا۔ ایک شخص نے سوامی جی سے پوچھا: یہ بتائیے کہ پُن اور پاپ کی تعریف کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں تم کو ایک جامع تعریف بتاتا ہوں۔ اس پر اپنے کو اور سب کو تول لو۔ وہ تعریف ان کے الفاظ میں یہ تھی:

Killing of a sensation is a sin & Vice versa

احساس کو مارنا گناہ ہے اور اسی طرح اس کے برعکس (احساس کو نہ مارنا نیکی ہے) پوچھنے والے نے کہا: اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ جانور کو ذبح کرکے کھاتے ہیں وہ کھلا ہوا پاپ کرتے ہیں۔ سوامی جی نے کہا اس میں کیا شک ہے۔ آدمی نے کہا: مگر وہ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ ایک جانور کو کاٹ کر ہم چالیس آدمی کھاتے ہیں اور تم لوگ چالیس سبزیوں کو کاٹتے ہو تو صرف ایک آدمی کھاتا ہے۔ اس لئے سبزی خوروں کا پاپ پھر بھی گوشت خوروں سے بڑھا ہوا ہے۔ سوامی جی نے کہا: ایسا نہیں۔ میں تم کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں۔ تمھارے سر پر ہزاروں بال ہیں۔ تم ان کو قینچی سے کاٹتے ہو تو کیا تکلیف ہوتی ہے۔ آدمی نے کہا نہیں۔ سوامی جی نے کہا: قینچی اگر سر کی کھال میں لگ جائے تو کیسا معلوم ہوگا۔ آدمی نے کہا: پھر تو بہت تکلیف ہوگی۔ سوامی جی نے کہا: اسی سے سمجھ لو۔ بال تمھارے زندہ جسم کا حصہ ہیں۔ مگر ان میں حساسیت صفر کے درجہ میں ہے، اس لئے تم کو تکلیف نہیں ہوتی۔ جب کہ جسم کی کھال میں حساسیت پوری ہے اس لئے کھال میں قینچی لگنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ جانور میں اسی طرح احساس ہوتا ہے جس طرح تمھارے اندر احساس ہے۔ مگر پودوں میں احساس اسی طرح بدرجہ صفر ہے جس طرح تمھارے بال میں ہے، اس لئے سبزی کھانا پاپ نہیں ہے۔ جب کہ جانور کھانا پاپ ہے۔ کیونکہ جانور کو کھانے کے لئے ایک حسّاس وجود کو مارنا پڑتا ہے۔

آدمی نے کہا: گویا اس معاملہ میں آپ کے نزدیک اصل معیار احساس ہے۔ احساس ہو تو کاٹنا پاپ ہے اور احساس نہ ہو تو کاٹنا پاپ نہیں۔ سوامی جی نے کہا ہاں۔ آدمی نے کہا: آپ کو معلوم ہے کہ آج کل ایسے انجکشن تیار ہو گئے ہیں جن کو لگا دیا جائے تو احساس بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جانور کو اگر اس قسم کا انجکشن لگا دیا جائے اور اس کے بعد اس کو کاٹا جائے تو آپ کے معیار کے مطابق اس کو کاٹنا پاپ نہ ہوگا۔ سوامی جی کا چہرہ جو اس سے پہلے روشن تھا، اچانک پھیکا پڑ گیا۔ "اصل بات یہ ہے ۔ ۔ ۔ " انھوں نے کہا اور دوسری دوسری بحثیں شروع کر دیں۔ آدمی نے کہا کہ آپ اپنا موقف نہ بدلئے۔ یا تو میری بات کا جواب دیجئے یا اعتراف کیجئے کہ نیکی اور بدی کے لئے آپ کا معیار درست نہیں۔ مگر سوامی جی نے دونوں میں سے کوئی بات نہ کی۔ بلکہ دوسری دوسری بحثیں چھیڑ کر ظاہر کرتے رہے کہ ان کی بات رد نہیں ہوئی ہے۔

آدمی کسی بات کو صحیح سمجھ لے اور اس پر اس کو ایک مدت گزر جائے تو وہ اس سے اتنا زیادہ مانوس ہو جاتا ہے کہ اس کی صداقت پر یقین کرنے کے لئے اس کو دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ اگر ایسے دلائل سامنے آئیں جو اس کی بات کو غلط ثابت کر دیں تب بھی مذکورہ عقیدہ کے ساتھ اپنی نفسیاتی وابستگی کی بنا پر اس کا یقین باقی رہتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ دلیل کی کاٹ خواہ اس کے پاس موجود نہ ہو مگر اس کے عقیدہ کے صحیح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ـــــ دلیل اس کے لئے ہے جو دلیل پر کھلے ذہن سے غور کرے۔ جو شخص دلیل پر غور نہ کرے اس کے لئے کوئی دلیل دلیل نہیں۔

■ آپس کی لڑائی اسلام کے خلاف ہے

من حمل علینا السلاح فلیس منا (حدیث) جس نے ہمارے اوپر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں۔

متحد رہنا اور اقدام میں پہل نہ کرنا

[illegible] اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ہجرت کے دسویں سال نجران (یمن) بھیجا۔ انھوں نے وہاں اسلام [illegible] واپس ہوئے تو ان کے ساتھ بنو حارث بن کعب کے لوگ مسلمان ہو کر مدینہ آئے۔ رسول اللہ صلی [illegible] پوچھا: جاہلیت کی جنگوں میں تم کس طرح ہمیشہ غالب رہتے تھے۔ انھوں نے کہا: ہم کسی پر غلبہ حاصل نہیں کرتے تھے۔ [illegible] جو تم سے جنگ کرتا تھا تم اس کے اوپر غالب رہتے تھے۔ انھوں نے کہا: اے خدا کے رسول جو ہم سے جنگ کرتا تھا ہم اس پر غالب رہتے تھے۔ ہم متحد رہتے تھے، کبھی متفرق نہیں ہوتے تھے۔ اور کسی کے اوپر ظلم سے آغاز نہیں [illegible] آپ نے فرمایا تم نے سچ کہا (کنا نغلب من قاتلنا یا رسول اللہ، انا کنا نجتمع ولا نفترق ولا نبدأ احداً [illegible] قال صدقتم۔ ابن ہشام۔ جزء ثانی، ۲۳۴)

■ بحث وجدال نیکی کو مٹا دیتی ہے

عوام بن حوشب نے کہا: لوگو دین میں جھگڑا کرنے سے بچو کیوں کہ دین میں جھگڑا کرنے سے آدمی کے اعمال حبط ہو جاتے ہیں (عن العوام بن حوشب قال ایاکم والخصومات فی الدین فانہا تحبط الاعمال۔ ابن عبد البر جامع بیان العلم وفضلہ، جزء ثانی، صفحہ ۹۳)

■ بغض آدمی کے دین کو کھا جاتا ہے

البغضاء ھی الحالقۃ، لا اقول تحلق الشعر ولکن تحلق الدین۔ والذی نفس محمد بیدہ لا تدخلوا الجنۃ حتی تؤمنوا، ولا تؤمنوا حتی تحابوا (جامع بیان العلم وفضلہ، جزء ثانی، صفحہ ۱۵۰) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] مونڈنے والی چیز ہے۔ میں یہ نہیں کہتا وہ بال کو مونڈتا ہے بلکہ وہ دین کو مونڈ دیتا ہے۔ اس ذات کی قسم [illegible] قبضہ میں محمد کی جان ہے، تم جنت میں نہیں داخل ہو سکتے جب تک مومن نہ ہو اور مومن بن نہیں سکتے جب تک آپس میں [illegible]

■ اجتماعی زندگی ہر حال میں ضروری ہے

عن ابی الدرداء قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من ثلثۃ فی قریۃ ولا بدو لا تقام فیھم الصلوٰۃ الا استحوذ علیھم الشیطان فعلیکم بالجماعۃ فانما یاکل الذئب من الغنم القاصیۃ [illegible] ذئب الانسان الشیطان اذا خلا بہ اکلہ

ترغیب وترہیب

ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا: جس گاؤں یا جنگل میں تین آدمی ہوں اور وہاں باجماعت نماز نہ ہوتی ہو تو ان پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے۔ اس لئے جماعت کو ضروری سمجھو۔ بھیڑیا اکیلی بکری کو کھا جاتا ہے اور آدمیوں کا بھیڑیا شیطان ہے۔

■ انسان سے معاملہ کرتے ہوئے اللہ کو یاد رکھنا

ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ ایک بار اپنے غلام کو مار رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا: ابو مسعود! جان لو کہ اس غلام پر تم کو جتنی قدرت ہے، اللہ کو تمھارے اوپر اس سے زیادہ قدرت ہے۔ ابو مسعود انصاری رض آپ کی زبان سے یہ سن کر کانپ اٹھے اور کہا: اے خدا کے رسول اس غلام کو میں اللہ کی راہ میں آزاد کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرتے تو دوزخ کی آگ تم کو پکڑ لیتی (ابوداؤد، کتاب الادب، باب حق المملوک)

■ اپنے اوپر قیاس کرکے بدگمانی سے بچنا

افک کا قصہ جس میں نعوذ باللہ حضرت عائشہ رض پر الزام لگایا گیا۔ اس کے ذیل کے بہت سے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رض سے ان کی بیوی نے کہا کہ لوگ عائشہ کی نسبت ایسا اور ایسا کہتے ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ کہنے والے جھوٹے ہیں۔ پھر انھوں نے اپنی بیوی سے پوچھا: تم بتاؤ، کیا تم ایسا کام کر سکتی ہو۔ خاتون نے کہا ہرگز نہیں۔ حضرت ابوایوب رض نے فرمایا: پھر عائشہ رض تم سے کہیں زیادہ پاک اور طاہر و مطہر ہیں، ان کی نسبت ایسا برا گمان کیوں کیا جائے

■ مسلمان کی بہتری پر خوش ہونا

طبرانی نے ابن بریدہ اسلمی سے روایت کیا ہے۔ عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انی لاسمع بالغیث قد اصاب البلد من بلاد المسلمین فافرح ومالی بہ سائمۃ (حلیۃ الاولیاء) میں سنتا ہوں کہ مسلمانوں کے شہروں میں سے کسی شہر میں بارش ہوئی ہے تو میں خوش ہوتا ہوں۔ حالاں کہ میرا کوئی جانور وہاں چرنے والا نہیں۔

■ اللہ کی خاطر انتقامی کارروائی سے رک جانا

غزوہ بنی المصطلق سے واپسی میں ایک اتفاقی غلطی سے عائشہ رضی اللہ عنہا راستہ میں رہ گئیں۔ بعد کو ایک صحابی نے ان کو میدان میں دیکھا تو اپنے اونٹ سے اتر کر ان کو بٹھایا اور خود اونٹ کی نکیل پکڑ کر چلتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کو مدینہ پہنچا دیا اس واقعہ کو مدینہ کے منافقین نے شوشہ بنا لیا اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف جھوٹی باتیں پھیلانے لگے۔ منافقین کے پروپگنڈے سے متاثر ہونے والوں میں ایک مسطح بھی تھے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رشتہ دار تھے اور آپ ان کو ہر ماہ مدد کے طور پر کچھ رقم دیا کرتے تھے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ اس پروپگنڈے میں مسطح بھی شریک ہیں تو انھوں نے کہا: خدا کی قسم اب میں مسطح کو کچھ بھی نہیں دوں گا۔ اس کے بعد قرآن میں حکم اترا کہ تم میں سے جو لوگ مال اور قدرت رکھتے ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ اپنے رشتہ دار، مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ کی مدد نہ کریں گے۔ ان کو چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو معاف کر دے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے (نور ۲۲) یہ آیت اتری تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں خدا کی قسم مجھے محبوب ہے کہ اللہ مجھے معاف کر دے (بلی واللہ انی لاحب ان یغفر لی۔ سیرت ابن ہشام) اور اس کے بعد دوبارہ مسطح کی رقم جاری کر دی۔

■ اللہ اس کو قیامت کے دن آگ سے بچائے گا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے بھائی کو بے آبروئی سے بچائے، قیامت کے دن اللہ اس کو آگ سے

بچائے گا (من ردعن عرض اخیہ رد اللہ عن وجھہ النار یوم القیامۃ)

■ صدقہ ہر آدمی پر فرض ہے

کُلُّ سُلَامیٰ مِنَ النَّاسِ عَلَیْہِ صَدَقَۃٌ کُلَّ یَوْمٍ تَطْلُعُ فِیْہِ الشَّمْسُ۔ تَعْدِلُ بَیْنَ اثْنَیْنِ صَدَقَۃٌ وَتُعِیْنُ الرَّجُلَ فِیْ دَابَّتِہٖ فَتَحْمِلُہٗ عَلَیْھَا اَوْ تَرْفَعُ لَہٗ عَلَیْھَا مَتَاعَہٗ صَدَقَۃٌ۔ وَالْکَلِمَۃُ الطَّیِّبَۃُ صَدَقَۃٌ۔ وَبِکُلِّ خَطْوَۃٍ تَمْشِیْھَا اِلَی الصَّلٰوۃِ صَدَقَۃٌ وَتُمِیْطُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ صَدَقَۃٌ (بخاری ومسلم)

آدمی کے ہر جوڑ پر ایک صدقہ ہے ہر دن جب کہ سورج طلوع ہو۔ دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرنا صدقہ ہے۔ آدمی کو سواری پر چڑھنے میں یا سامان آتارنے میں مدد کرنا صدقہ ہے۔ ایک اچھا بول صدقہ ہے۔ راستہ سے تکلیف کی ہر چیز کو ہٹا دینا صدقہ ہے۔

■ اللہ کا محبوب بندہ وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہو

طبرانی اور ابن حبان نے اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے اور ہم اس طرح چپ تھے جیسے کہ ہمارے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہوئی ہیں، ہم میں سے کوئی بھی بول نہیں رہا تھا اتنے میں کچھ لوگ آئے۔ انھوں نے پوچھا: اللہ کے بندوں میں سے کون اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔ آپ نے فرمایا: جو ان میں سے اخلاق میں اچھے ہیں (احسنہم خلقا، الترغیب والترہیب جلد ۴)

■ بندوں کے حقوق ادا کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے چند دن پہلے خلاف معمول ایک لمبی تقریر فرمائی۔ آخر میں آپ نے کہا: میں اللہ کے یہاں اپنا صحیفہ زندگی صاف ستھرا لے کر جانا چاہتا ہوں۔ اگر کسی کا کوئی قرض مجھ پر رہ گیا ہو جس کو میں ادا کرنا بھول گیا ہوں۔ یا غیر ارادی طور پر کسی شخص کو مجھ سے کوئی ذہنی یا جسمانی تکلیف پہنچی ہو تو وہ مجھ سے اس کا بدلہ لے لے یا مجھے معاف کر دے" آپ نے تقریر ختم کر کے انتظار فرمایا مگر کوئی نہ بولا۔ اب ظہر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ آپ نے جماعت کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی۔ نماز ظہر کے بعد آپ دوبارہ ممبر پر آئے اور وہی سوال پھر دہرایا کہ میرے ذمہ کسی کا قرض ہو یا مجھ سے کسی کی اہانت ہوئی ہو تو وہ اپنا بدلہ لے لے۔ اب ایک شخص اٹھا اس نے کہا کہ "اے خدا کے رسول! آپ کے اوپر میرا پانچ درہم کا قرض ہے"۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا اور ان کے پانچ درہم اسی وقت مسجد میں ادا کر دئے گئے۔

■ ہر ایک کے ساتھ انصاف کرنا خواہ وہ کمزور ہو یا طاقت ور

معاویہ بن ابوسفیان نے ضرار صدائی سے کہا کہ اے ضرار، مجھ سے علی کی صفت بیان کرو (یا ضرار صف لی علیا) اس کے جواب میں انھوں نے جو کچھ کہا اس کے چند جملے یہ تھے: وہ ہمارے اندر ہمارے ایک شخص کی مانند تھے۔ کوئی طاقت ور اپنے باطل میں ان سے امید نہ کر سکتا تھا اور کوئی کمزور ان سے عدل پانے میں مایوس نہ ہو سکتا تھا (کان فینا کاحدنا لا یطمع القوی فی باطلہ ولا ییأس الضعیف من عدلہ)

خدا سے ڈرنے والے

ہٹلر کی حکومت کے زمانہ میں جرمنی میں جب یہودی پکڑے جانے لگے تو وہاں بہت سے لطیفے مشہور ہوئے۔ ایک لطیفہ یہ تھا کہ شہر کی ایک سڑک پر ایک یہودی بھاگا جا رہا تھا۔ دوسرے یہودی نے اس کو دیکھ کر پوچھا کہ تم کیوں بھاگ رہے ہو۔ اس نے کہا "تم بھی بھاگو" اس نے دوبارہ پوچھا "آخر کیوں" بھاگنے والے یہودی نے جواب دیا: چڑیا گھر سے ایک بھیڑیا بھاگ نکلا ہے اور اس کو گولی مارنے کا حکم ہوا ہے۔ دوسرے یہودی نے حیران ہو کر کہا: ہم کو کیا ڈر ہے، ہم بھیڑیے تو نہیں ہیں، پھر ہم کیوں بھاگیں۔ پہلے یہودی نے جواب دیا: ہاں ہم بھیڑیے نہیں ہیں۔ مگر کیا ہم اس کو ثابت کر سکتے ہیں۔

اس مثال سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈر کی نفسیات سے جو انسان بنتا ہے وہ کیسا انسان ہوتا ہے۔ وہ ہر مسئلہ کو اپنا مسئلہ سمجھتا ہے۔ کیوں کہ اس کو ڈر ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے کہیں میں نہ پکڑ لیا جاؤں۔ کسی سے ڈرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی اس کے مقابلہ میں اپنے کو کمزور پا رہا ہے۔ وہ فیصلہ کا سرا دوسرے کے ہاتھ میں سمجھتا ہے۔ اور جب بھی فیصلہ کا سرا دوسرے کے ہاتھ میں ہو تو لازماً ایسا ہوگا کہ آدمی اندیشہ میں مبتلا رہے گا۔ اس کو یہ ڈر لگا رہے گا کہ کہیں میں ہی مجرم نہ قرار دے دیا جاؤں۔ ایک بکری جو مجھ سے بہت دور فرات کے کنارے مری ہو، اگر اس کے مرنے کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دی جائے تو میرے پاس کیا جواب ہوگا۔ اور میں کس طرح اپنے کو بری الذمہ ثابت کر سکوں گا۔

اللہ تمام طاقتوں سے بڑھ کر طاقت ور ہے۔ تمام فیصلوں کا سرا اسی کے ہاتھ میں ہے۔ ایسی حالت میں جو شخص اللہ کو پالے وہ اس کی طرف سے مستقل اندیشہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ہر معاملہ میں وہ سوچنے لگتا ہے کہ خدا کی عدالت میں کہیں مجھ کو اس کا ذمہ دار نہ قرار دے دیا جائے۔ اپنے کو بچانے کا جذبہ اس کو مجبور کرتا ہے کہ لوگوں سے معاملہ کرنے میں وہ حد درجہ محتاط رہے، لوگوں کے ساتھ وہ ہمیشہ فیاضی کا سلوک کرے، وہ لوگوں کے حق سے زیادہ انھیں دے۔ اس کا کوئی ساتھی یا اس کا ماتحت اگر کوئی غلط کام کرتا ہے تو اس کا خطرہ وہ اپنے اوپر محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ وہ سوچتا ہے کہ خدا اگر قیامت میں کہہ دے کہ تمھاری وجہ سے اس کو یہ جرأت ہوئی تو میرے پاس کیا عذر ہوگا۔ اس کی لاعلمی میں ظلم کا ایک واقعہ ہو تب بھی وہ کانپ جاتا ہے کہ اگر خدا کے یہاں یہ کہا جائے کہ تم عوامی قائد بنے ہوئے تھے تو تم اس سے باخبر کیوں نہ ہوئے تو میں خدا کو کیا جواب دوں گا۔ اس کے دائرہ میں کوئی شخص کسی کو ستاتا ہے تو وہ بے تاب ہو جاتا ہے کیوں کہ وہ ڈر جاتا ہے کہ اگر خدا یہ کہے کہ تم نے اپنی کارروائیوں سے جو ماحول بنایا اس کی وجہ سے ایسا واقعہ ممکن ہو سکا تو میں کس طرح اپنے کو بری الذمہ ثابت کروں گا۔ کوئی شخص اس کو مدد کے لئے پکارتا ہے اور وہ ایک عذر کر کے آگے بڑھ جاتا ہے تو وہ لرز اٹھتا ہے۔ کیوں کہ یہ احساس اس کو پریشان کر دیتا ہے کہ قیامت میں اگر خدا یہ کہہ دے کہ تم نے اپنے جس کام کو عذر بنایا اس سے زیادہ ضروری یہ تھا کہ تم اس کو چھوڑ کر میرے بندے کا ساتھ دیتے تو میں کیا کہہ کر چھوٹ سکوں گا۔

"ہر ایک کے پاس اپنی عظمت کی داستانیں ہیں، خدا کی عظمت کی داستان کسی کے پاس نہیں" یہ فقرہ اکثر دردناک آہ کے ساتھ میری زبان سے اس وقت نکل جاتا ہے جب میں ان اخبارات و رسائل کو پڑھتا ہوں جو مختلف اسلامی اداروں اور جماعتوں نے اپنی ترجمانی کے لئے نکال رکھے ہیں اور روزانہ چھپ چھپ کر لوگوں تک پہنچتے ہیں۔ ایک آدمی اپنی محبوب شخصیت کے حق میں لمبا نثری قصیدہ پڑھے گا جس میں یہ خبر دی جائے گی کہ "آپ کی ذات گرامی کے آفتاب سے گوشے گوشے جگمگا رہے ہیں" مگر طویل تحریر میں کہیں بھی یہ محسوس نہ ہوگا کہ کہنے اور سننے والے خدا کی عظمت و جلال کے احساس سے لرز رہے ہیں اور رب العالمین کے بے پایاں کرشموں کو دیکھ کر محو حیرت ہیں۔ البتہ خاتمہ کلام پر یہ فقرہ ادا کر دیا جائے گا: وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ کلام کے پورے مجموعہ میں دیکھئے تو عربی کا یہ فقرہ ایک بے جوڑ سا فقرہ معلوم ہوگا۔ جس کلام میں انسانی عظمت کے آبشار برسائے جا رہے ہوں وہاں "تمام تعریف صرف اللہ کے لئے ہے" کہنے کا کیا مقام۔ اس قسم کا فقرہ ہمیشہ رسمی ہوتا ہے نہ کہ حقیقی۔ انسان کی عظمت کا طویل قصیدہ پڑھنے کے بعد یہ مختصر عربی فقرہ حقیقتہً اللہ کی حمد کے جذبہ سے نہیں نکلتا بلکہ صرف تبرک یا رسم کی خانہ پری کے لئے ہوتا ہے۔ کسی دوسرے مذہب کا آدمی ہو اور وہ اپنی محبوب شخصیت کا قصیدہ پڑھے تو وہ اپنے کلام کے آخر میں اپنے مذہب اور روایات کے لحاظ سے کوئی فقرہ بول دے گا اور مسلمان اپنے مذہب اور روایات کے لحاظ سے۔ بظاہر دونوں ایک دوسرے سے مختلف معلوم ہوتے ہیں۔ ایک کا فقرہ "اسلامی" فقرہ ہے اور دوسرے کا "غیر اسلامی" فقرہ۔ مگر جس نفسیاتی حالت کے تحت یہ فقرے نکلے ہیں، اس کے اعتبار سے دونوں ایک ہیں۔ اندرونی کیفیت کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ایک شخص اپنی روایتی تسکین کے لئے عربی فقرہ کا تلفظ کر رہا ہے، دوسرا کسی غیر عربی فقرہ کا۔

جو لوگ اپنے ان مشغلوں پر خوش ہیں اور ان کو کارنامہ سمجھتے ہیں وہ بہت جلد جان لیں گے کہ ان کی یہ سرگرمیاں خدا کی نظر میں اس سے بھی زیادہ بے قیمت تھیں جتنا کہ مٹی کے ڈھیر میں ایک چیونٹی کا رینگنا۔ یہ زمین کسی کے "اکابر" کی جلوہ گاہ نہیں، یہ خدا کی تجلیات کا ظہور ہے۔ جب بھی خدا کے سوا کسی اور کی تعریف اس زمین پر کی جاتی ہے تو وہ سب سے بڑا جھوٹ ہوتا ہے جو کوئی شخص بولتا ہے۔

انسانی عظمت کے قصیدے جب پڑھے جاتے ہیں تو زمین و آسمان کی ہر چیز پڑھنے اور سننے والوں پر لعنت بھیجتی ہے مگر جب خدا کی عظمت کا چرچا کیا جائے تو زمین و آسمان اس کے ہم آواز ہو جاتے ہیں۔ انسانی عظمت کے قصیدے جھوٹی زبانوں سے نکلتے ہیں اور جھوٹے کانوں سے سنے جاتے ہیں۔ مگر جب کسی کو خدا کی عظمت بیان کرنے کی توفیق ملتی ہے تو یہ ایک ملکوتی کلام ہوتا ہے جو فرشتوں کی ہم نشینی سے کسی کی زبان سے ابلتا ہے۔ جو لوگ کسی انسان کی عظمت سے مسحور ہوں وہ اس کی شان میں الفاظ کے دریا بہاتے ہیں جب کہ خدا کی عظمت سے مسحور ہونے والے شخص پر چپ لگ جاتی ہے۔ انسانی عظمت کے چرچے پُر رونق مجلسوں اور عمدہ چھپے ہوئے کاغذوں میں ہوتے ہیں اور اللہ کی عظمت کا چرچا ایک بندۂ خدا کے قلب میں ابلتا ہے اور صرف اس کی تنہائیوں کو یہ خوش قسمتی حاصل ہوتی ہے کہ وہ اس کو سنیں اور دیکھیں۔ خدا کی عظمتوں میں جینے والے اور انسان کی عظمتوں میں جینے والے میں یہی فرق ہے جو خود خدا اور انسان میں ہے۔

ایجنسی: ایک تعمیری اور دعوتی پروگرام

الرسالہ عام معنوں میں صرف ایک پرچہ نہیں۔ وہ تعمیر ملت اور احیاء اسلام کی ایک مہم ہے جو آپ کو آواز دیتی ہے کہ آپ اس کے ساتھ تعاون فرمائیں۔ اس مہم کے ساتھ تعاون کی سب سے آسان اور بے ضرر صورت یہ ہے کہ آپ الرسالہ کی ایجنسی قبول فرمائیں۔

"ایجنسی" اپنے عام استعمال کی وجہ سے کاروباری لوگوں کی دلچسپی کی چیز سمجھی جانے لگی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایجنسی کا طریقہ دور جدید کا ایک مفید عطیہ ہے جس کو کسی فکری اشاعت کے لئے کامیابی کے ساتھ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کسی فکری مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنے کی یہ ایک انتہائی ممکن صورت ہے اور اسی کے ساتھ اس فکر کو پھیلانے میں اپنا حصہ ادا کرنے کی ایک بے ضرر تدبیر بھی۔

تجربہ یہ ہے کہ بیک وقت سال بھر کا زر تعاون روانہ کرنا لوگوں کے لئے مشکل ہوتا ہے۔ مگر پرچہ سامنے موجود ہو تو ہر مہینے ایک پرچہ کی قیمت دے کر وہ بآسانی اس کو خرید لیتے ہیں۔ ایجنسی کا طریقہ اسی امکان کو استعمال کرنے کی ایک کامیاب تدبیر ہے۔ الرسالہ کی تعمیری اور اصلاحی آواز کو پھیلانے کی بہترین صورت یہ ہے کہ جگہ جگہ اس کی ایجنسی قائم کی جائے۔ بلکہ ہمارا ہر ہمدرد اور متفق اس کی ایجنسی لے۔ یہ ایجنسی گویا الرسالہ کو اس کے متوقع خریداروں تک پہنچانے کا ایک کارگر درمیانی وسیلہ ہے۔

وقتی جوش کے تحت لوگ ایک "بڑی قربانی" دینے کے لئے بآسانی تیار ہو جاتے ہیں۔ مگر حقیقی کامیابی کا راز ان چھوٹی چھوٹی قربانیوں میں ہے جو سنجیدہ فیصلہ کے تحت لگاتار دی جائیں۔ ایجنسی کا طریقہ اس پہلو سے بھی اہم ہے یہ ملت کے افراد کو اس کی مشق کراتا ہے کہ ملت کے افراد چھوٹے چھوٹے کاموں کو کام سمجھنے لگیں۔ ان کے اندر یہ حوصلہ پیدا ہو کہ وہ مسلسل عمل کے ذریعہ نتیجہ حاصل کرنا چاہیں نہ کہ یکبارگی اقدام سے۔

ایجنسی کی صورتیں

پہلی صورت ——— الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔ کمیشن ۲۵ فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ مطلوبہ پرچے کمیشن وضع کرکے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت ہر شخص ایجنسی لے سکتا ہے۔ اگر اس کے پاس کچھ پرچے فروخت ہونے سے رہ گئے ہیں تو اس کو پوری قیمت کے ساتھ واپس لے لیا جائے گا۔

دوسری صورت ——— الرسالہ کے پانچ پرچوں کی قیمت بعد وضع کمیشن ساڑھے سات روپیہ ہوتی ہے۔ جو لوگ صاحب استطاعت ہیں وہ اسلامی خدمت کے جذبہ کے تحت اپنی ذمہ داری پر پانچ پرچوں کی ایجنسی قبول فرمائیں۔ خریدار ملیں یا نہ ملیں، ہر حال میں پانچ پرچے منگوا کر ہر ماہ لوگوں کے درمیان تقسیم کریں۔ اور اس کی قیمت خواہ سالانہ نوے روپے یا ماہانہ ساڑھے سات روپے دفتر الرسالہ کو روانہ فرمائیں۔

حقیقت کی تلاش

از مولانا وحیدالدین خاں

صفحات ۶۰ قیمت ایک روپیہ

دین کی سیاسی تعبیر

(تعبیر کی غلطی کا خلاصہ)

از مولانا وحیدالدین خاں

صفحات ۷۰ قیمت -/۲

مکتبہ الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

پندرہ روزہ

ترجمان

کتاب وسنت کا داعی ونقیب

زرتعاون سالانہ پندرہ روپے

دفتر اخبار ترجمان

پوسٹ بکس نمبر 1306 دہلی — ۶

اسلام کا تعارف

از مولانا وحیدالدین خاں

صفحات ۲۴، قیمت ‎۵۰/.

اسلام

ایک عظیم جدوجہد

از مولانا وحیدالدین خاں

صفحات ۸۰ قیمت ۱/۶۰

مکتبہ الرسالہ

جمعیت بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

سوشلزم

ایک غیر اسلامی نظریہ

از مولانا وحیدالدین خاں

صفحات ۷۲، قیمت ۱/۲۵

مارکسزم

تاریخ جس کو رد کر چکی ہے

از مولانا وحیدالدین خاں

صفحات ۱۴۸ قیمت ۳/۰۰

مکتبہ الرسالہ

جمعیت بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

از
مولانا محمد ادریس کاندھلوی
سابق شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند

سیرت رسول پر امت کے اکابر مورخین اور ارباب سیر کے علوم کا جوہر

جلد اول: صفحات ۴۷۴ قیمت مجلد ۳۵ روپے، غیر مجلد ۳۰ روپے
جلد دوم: صفحات ۴۷۰ قیمت مجلد ۳۵ روپے، غیر مجلد ۳۰ روپے
جلد سوم: صفحات ۵۱۴ قیمت مجلد ۴۰ روپے، غیر مجلد ۳۵ روپے

مکمل سیٹ کی قیمت ۱۱۰ روپے
تینوں حصے ایک ساتھ منگانے والوں کو ڈاک خرچ معاف

ملنے کا پتہ

۱۔ ادارۂ علم و حکمت دیوبند ۔ ضلع سہارن پور (یوپی)
۲۔ کتب خانہ رشیدیہ اردو بازار ۔ جامع مسجد ۔ دہلی ۶

انسان اپنے آپ کو پہچان

از مولانا وحید الدین خاں
صفحات ۲۴
قیمت ۷۵ پیسے
مکتبہ الرسالہ
جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ ۔ دہلی

ہر قسم کی کتابوں کے لئے لکھئے

اقبال پبلیکیشنز

2463 مہابت خاں اسٹریٹ
چتلی قبر ۔ دہلی ۶

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے

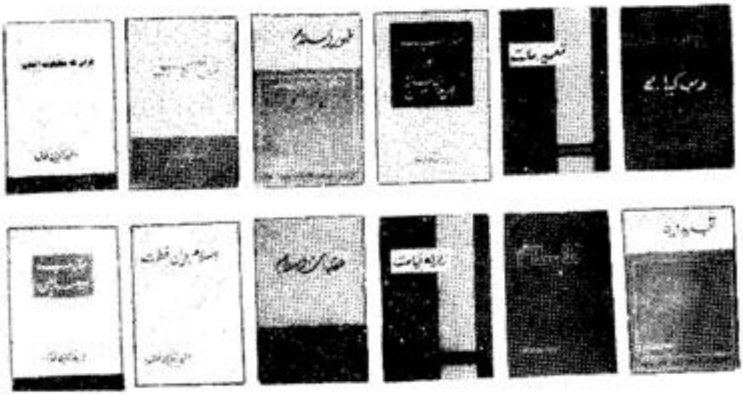

- دین کیا ہے
  صفحات ۳۲ قیمت ۵۰/۱ روپے
- تعمیرِ ملت
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- ظہورِ اسلام
  صفحات ۲۰۰ قیمت ۱۲/- روپے
- تاریخ کا سبق
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- مذہب اور سائنس
  صفحات ۷۲ قیمت ۴/-
- تجدیدِ دین
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- الاسلام
  صفحات ۱۶۷ قیمت ۱۲/- روپے
- زلزلۂ قیامت
  صفحات ۶۴ قیمت ۳/- روپے
- عقلیاتِ اسلام
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- پیغمبر اسلام
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/-
- مذہب اور جدید چیلنج
  صفحات ۲۲۴ قیمت ۱۳/۵۰ روپے
- اسلام دینِ فطرت
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- اسلامی دعوت
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/- روپے
- قرآن کا مطلوب انسان
  صفحات ۸۰ قیمت ۴/۵۰ روپے
- سبق آموز واقعات
  صفحات ۴۸ قیمت ۲/-

مکتبہ الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

ثانی اثنین خاں پرنٹر پبلشر مسؤل نے جے کے آفسٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر دفتر الرسالہ جمعیۃ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ سے شائع کیا

REGD. R. N. NO. 28822/76
REGD. D. (D.) NO. 532

May 1980
Issue No. 42

AL-RISALA MONTHLY

JAMIAT BUILDING, QASIMJAN STREET, DELHI 110006, INDIA

کیا
آپ کی روزانہ کی خوراک سے
آپ کے بدن کو پُوری قوّت اور
پُورا فائدہ مِلتا ہے؟

اپنی روزمرّہ خوراک سے صحیح تغذیہ حاصل کرنا اِس بات پر منحصر ہے کہ آپ کا نظامِ ہضم کتنا ٹھیک اور طاقتور ہے۔

سنکارا ہی ایک ایسا ٹانک ہے جس میں طاقت دینے والے ضروری وٹامنوں اور معدنی اجزا ء کے ساتھ چھوٹی الائچی، لونگ، دھنیا، دارچینی، تیزپات، تُلسی وغیرہ جیسی چودہ ۱۴ جڑی بوٹیاں شامل ہیں۔ اِس مرکّب سے آپ کے نظامِ ہضم کو طاقت ملتی ہے اور آپ کا بدن اس کی مدد سے آپ کی روزمرّہ خوراک سے صحیح تغذیہ اور بھرپور قوّت حاصل کرتا ہے۔

سنکارا

ہر موسم اور ہر عمر میں
سب کے لیے بے مثال ٹانک

ہمدرد

HD-5048 AU